آتما شکتی

کشتی سرائے

مجھے اپنے مکان کا جنوبی کاریڈور بہت پسند ہے' شاید اس لئے کہ جس تنہائی' سکون اور یکسوئی کی مجھے ضرورت ہوتی ہے' وہ یہیں نصیب ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ ایک پڑھنے لکھنے کا شغل رکھنے والے شخص کے لئے تنہائی اور یکسوئی کتنی بڑی نعمتیں ہوتی ہیں۔ مَیں یقیناً اس اعتبار سے بے حد خوش بخت آدمی ہوں کہ مجھے ایسا مکان مل گیا ہے جس کا جنوبی کاریڈور نہایت پُرسکون ہے۔ مَیں نے اپنی میز یہیں لگا رکھی ہے اور پُرسکون ماحول میں کسی قسم کی دخل اندازی کے بغیر مَیں اپنی جگہ گھنٹوں لکھتا اور پڑھتا رہتا ہوں۔ اول تو یہاں مجھے تھکن کا احساس ہی کم ہوتا ہے اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو فوراً اس کھڑکی کے نزدیک جا کھڑا ہوتا ہوں جو باغ کی جانب کھلتی ہے۔ باغ خاصا وسیع و عریض ہے اور اس میں طرح طرح کے پھول' پودے اور درخت لگے ہیں۔ مَیں ہمیشہ اس باغ کی تازگی اور شادابی کا خیال رکھتا ہوں اور اسی لئے یہ باغ بھی میرا خیال رکھتا ہے۔

چند لمحے باغ کا نظارہ آنکھوں میں طراوت اور دماغ میں فرحت بھر دیتا ہے۔ مَیں دوبارہ تازہ دم ہو کر اپنی میز پر آجاتا ہوں اور لکھنا شروع کر دیتا ہوں۔

آپ پوچھیں گے مَیں ان دنوں کیا لکھ رہا ہوں۔ جناب! مَیں اپنی آپ بیتی قلم بند کر رہا ہوں۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ میری زندگی عجیب و غریب واقعات

وحوادث سے بھری ہوئی ہے۔ اب اتنے برس بیت جانے کے بعد اوراق الٹتا ہوں تو خود مجھ پر تحیّر کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور بعض اوقات یقین ہی نہیں آتا کہ یہ واقعات مجھ پر گزرے ہیں۔ انہی پُراسرار اور تحیّر خیز واقعات میں سے ایک واقعہ مجھے ہمیشہ پریشان کرتا رہا ہے اور ہزاروں مرتبہ اس پر سوچ بچار کرنے کے باوجود میں اس کی توجیہہ نہیں کرپایا۔ جتنا غور و فکر کرتا ہوں اتنا ہی الجھتا جاتا ہوں اور اس الجھی ہوئی ڈور کا سِرا میرے ہاتھ نہیں آتا۔ اگر آپ سننا چاہیں تو عرض کیے دیتا ہوں۔

ان دنوں مَیں جنوبی انگلستان کے ایک خوبصورت لیکن قدرے غیر آباد علاقے کے ایک گرجے میں جونیئر پادری تھا۔ بڑے پادری کا نام کینن ایلڈرڈ تھا اور مجھ سے چھوٹے پادری کو فرانسس کہتے تھے۔ حقیقت میں یہ دونوں بہت نفیس آدمی تھے۔ بہت جلد ہم تینوں میں انسیت پیدا ہو گئی اور چونکہ چوبیس گھنٹے کا ساتھ تھا' اس لئے قدرتی طور پر ہم ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں بھی شریک رہتے۔ رات کھانے کے بعد دیر تک نشست رہتی' اس میں دنیا جہان کی باتیں ہوتیں' فنونِ لطیفہ سے لے کر سیاست تک اور سیاست سے بھوت پریت اور روحوں کے قصوں تک ہر موضوع ہماری دسترس میں ہوتا۔ بعض اوقات ساری ساری رات انہیں باتوں میں کٹ جاتی' کوئی فکر تھا اور نہ پریشانی۔ ایسی ہی ایک رات کا ذکر ہے' ہم تینوں نادیدہ مخلوقات کے بارے میں سرگرمی سے بحث کر رہے تھے۔ کینن کہہ رہا تھا۔ "مَیں تمہیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں' یہ وہ راز ہے جسے اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں جانتے۔ اور وہ یہ ہے کہ مافوق الفطرت قوتیں خود بھی مصروفِ عمل ہوتی ہیں اور کبھی کبھی وہ ہم جیسے انسانوں کو بھی اپنا آلۂ کار بنا لیتی ہیں"۔

"بے شک یہ بات درست ہے"۔ مَیں نے کہا۔ "یہ عجیب قوت بعض انسانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ وہ دوسروں کے ذہن پر اثر انداز ہو کر انہیں اپنا آلۂ کار بنا لیتے ہیں۔ مثلاً ایسے افراد چاہیں تو اپنے معمول کو حکم دے کر اُس سے قتل تک کروا سکتے ہیں"۔

فرانسس حیرت زدہ ہو کر ہم دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

"خدا رحم کرے! یہ تم لوگ کیا کہہ رہے ہو؟ مَیں یہ بات کبھی نہیں مان سکتا..... خدا نے انسان کو زبردست قوتیں اور صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ کوئی اور مخلوق خواہ وہ کتنی ہی مافوق الفطرت کیوں نہ ہو، کسی انسان کو اپنا آلۂ کار نہیں بنا سکتی۔ انسان کو یہ درجہ حاصل ہے کہ وہ روحوں کو طلب کر سکتا ہے اور خبیث شیطانی طاقتوں کو زیر کر لیتا ہے بلکہ وہ چاہے تو ان سے اپنے کام بھی نکلوا سکتا ہے..... تاہم یہ ممکن نہیں کہ کوئی خبیث روح کسی انسان پر غلبہ حاصل کر لے اور اسے اپنے مقاصد کے تحت کام کرنے پر مجبور کر دے..... البتہ میں اتنا مان سکتا ہوں کہ خبیث قوتیں اکثر اوقات خبیث افراد کے قریب آ جاتی ہیں....."

ہم دونوں نے فرانس کو اپنی بات پر قائل کرنے کی بڑی کوشش کی، لیکن وہ نہ مانا..... آخر تنگ آ کر مَیں اُٹھ کھڑا ہُوا اور مَیں نے کہا۔ "فرانس، بے شک تم اس وقت یہ حقیقت تسلیم نہ کرو، مگر..... ایک دن ایسا آئے گا جب تم اس کے قائل ہو جاؤ گے۔" اس کے بعد ہماری نشست برخاست ہو گئی اور ہم اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے چلے گئے۔

اگلے ہفتے میری سالانہ چھٹیاں شروع ہونے والی تھیں۔ گذشتہ کئی برسوں سے یہ پروگرام طے پا چکا تھا کہ ہم تینوں باری باری چھٹیاں لے کر کہیں گھومنے جایا کرتے تھے۔ اس کے دو مقاصد ہوتے، ایک یہ کہ ہم گھوم پھر کر تفریح کر لیتے اور پھر سال بھر کے لئے تر و تازہ ہو جاتے..... اور دوسرا یہ کہ دور دراز کے علاقوں میں ایسی جگہ منتخب کر لیتے جہاں نوجوانوں کی اخلاقی اور مذہبی تربیت کے لئے سالانہ کیمپ لگا سکیں۔ اب کے چھٹی کی باری میری تھی اور میرا خیال تھا کہ یہ چھٹیاں ڈیونشائر میں اپنے چچا کے ہاں گزاروں، ان کے ہمراہ شکار کھیلنے جاؤں اور ساتھ ہی ساتھ کیمپ لگانے کے نقطۂ نظر سے اِردگرد کے مضافات کا جائزہ بھی لے لوں، چنانچہ اگلی صبح میں ڈیونشائر روانہ ہو گیا وہاں پہنچ کر مجھے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ کسی کے پاس بات کرنے کے لئے بھی وقت نہ تھا، لہٰذا مَیں نے اگلے ہی روز کوچ کرنے اور اکیلے گھومنے پھرنے کا ارادہ کر لیا اور ایک ایسے بے رونق اور ساحلی علاقے کا انتخاب کیا جہاں کی آبادی چھوٹی چھوٹی

بستیوں میں اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھی۔ دراصل ایسے ہی علاقوں کے نوجوانوں کو راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مَیں نے ڈنز لے تک دس دن کا واپسی ریلوے ٹکٹ لیا اور سفر پر روانہ ہو گیا۔ ٹکٹ پر 22 ستمبر بروز سوموار کی مہر لگی تھی۔

مَیں جب ڈنزلے پہنچا تو ساحل خلافِ توقع چھوٹے چھوٹے جہازوں اور کشتیوں سے پٹا پڑا تھا جو شاید کسی طوفان کی پیش گوئی کے سبب اس چھوٹے سے ساحل پر آ لگی تھیں۔ پورے قصبے میں مچھیروں اور ملاحوں کی آمد سے رونق سی ہو گئی تھی۔ مَیں بھی ڈنزلے کی ایک کشتی سرائے میں ٹھہر گیا۔ یہ رات مَیں نے یہی گزاری۔ اگلے روز یعنی منگل کے دن ایک مختصر سا سنہری تھیلا لئے چٹانوں کے ساتھ ساتھ ساحل سمندر پر چلنا شروع کر دیا۔ شام کا اندھیرا چھا جانے کے بعد مجھے ایک اجنبی کسان کی بیل گاڑی میں لفٹ مل گئی جو شیڈز ہوم تک جا رہا تھا......وہاں پہنچ کر مَیں نے وہ رات کشتی سرائے میں گزاری جو اپنے چرچ سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ اگلی صبح یعنی بدھ کے روز میرا مُوڈ آنے جانے کا نہ بن سکا اور مَیں نے اس دن اسی بستی کے قرب و جوار میں گھومنے پھرنے کا فیصلہ کیا۔ کشتی سرائے کے بوڑھے مالک مسٹر روبنسن سے ایک ڈوری ونسی ادھار لی اور سہ پہر تک مچھلی کے شکار سے خوب جی بہلاتا رہا۔ اس سیر سپاٹے کے دوران ایسٹر کے کیمپ کے لئے بہت اچھی جگہ بھی پسند آ گئی۔ یہ جگہ ریپ مُور کہلاتی تھی۔ بدھ کی رات مَیں نے وہیں ریپ مُور میں گزاری اور جمعرات کو مَیں فرینک سٹون ایج کی بستی میں چلا آیا اور رات کا کھانا وہاں کے گرجا گھر کے پادری کے ساتھ کھایا جو کُلیگی کا ہم جماعت رہ چکا تھا۔ بڑی دیر تک ہم باتیں کرتے رہے۔ جمعے کا دن مَیں نے گارٹن میں گزارا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ گارٹن سرائے کی مالکہ نے طوطے کا پنجرہ اپنے کمرے میں لٹکا رکھا تھا۔ طوطا حیرت انگیز طور پر سدھایا ہُوا تھا۔ دیر تک اس دلچسپ طوطے سے باتیں کرتا رہا۔ اگلی صبح یعنی ہفتے کے روز مَیں ایک لمبی سیر پر نکل کھڑا ہُوا۔ بہت پُر لطف سماں تھا۔ سمندر کی لہروں سے اُٹھتی ہوئی پھوار میرے چہرے سے آ کر ٹکراتی تو مجھے بہت بھلا لگتا۔ مَیں اس ٹھنڈی پھوار سے اس وقت تک لطف اندوز ہوتا رہا جب تک میرا راستہ مشرق کی طرف نہ مڑ گیا اور

مَیں اس سڑک پر ہو لیا جو خلیج کے آخر تک جاتی تھی۔

مَیں ایک چھوٹے سے راستے پر چل پڑا جس پر خشک خاردار جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ مَیں نے اندازہ لگایا کہ یہ راستہ استعمال نہیں ہوتا۔ دوپہر ہونے تک میں سطح مرتفع کی سب سے اونچی چٹان پر پہنچ چکا تھا۔ بھوک کے مارے میرا بُرا حال تھا۔ مَیں ایک جگہ بیٹھ گیا اور تھیلے سے سینڈوچ نکال کر کھانے لگا۔ اس کے بعد اپنی سمت کا جائزہ لینے کے لئے نقشہ نکالا مگر اسے پڑھنا اتنا سہل نہ تھا۔ ایک تو مَیں اجنبی اور پھر تمام علاقہ ایک ہی جیسی چٹانوں اور ایک ہی جیسے راستوں سے محیط.... پھر بھی مَیں نے مختلف نشانیوں سے اپنی پوزیشن کا اندازہ لگا ہی لیا۔ نقشے کے مطابق وہی شیڈز ہوم کی بستی نزدیک ترین جگہ تھی جہاں میں رات بسر کر سکتا تھا اور جہاں مَیں نے منگل کی رات گزاری تھی۔ مَیں کسی تذبذب کے بغیر شیڈز ہوم کی طرف چل دیا۔ اس وقت دن کے دو بج چکے تھے۔

مجھے راستہ تلاش کرنے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ راستہ چلتے چلتے اچانک بند ہو جاتا اور قوی ہیکل چٹانیں کھڑی میرا منہ چڑا رہی ہوتی' اور کبھی اچانک تین چار سمتوں میں بیک وقت رستے کھلنے لگتے اور ان میں سے کسی ایک کا انتخاب مشکل ہو جاتا۔ مَیں نے اندازے کے مطابق جنوب کی طرف سفر جاری رکھا اور خدا کا شکر ہے کہ آہستہ آہستہ پتھروں اور چٹانوں کے سائز میں کمی آنے لگی اور زمین ہموار ہوتی چلی گئی۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ مَیں صحیح راستے پر چل رہا ہوں اور آبادی قریب ہے' لیکن اچانک ایک ٹیلہ نمودار ہوا جو دور تک چلا گیا تھا۔ پیدل چلتے چلتے میری ٹانگیں جواب دے گئی تھیں۔ یہاں رات بسر کرنے کا مَیں تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ پھر یہ کہ میرے پاس پانی بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے شیڈز ہوم پہنچنے کے سوا اور کوئی نجات کی راہ نہ تھی۔

میں جونہی بلندی پر چڑھتی اور پھر نیچے اترتی پگڈنڈی پر سے نیچے آیا تو ویسا ہی بڑا سا ٹیلہ پھر سامنے تھا۔ اچانک انجانے سے خوف اور دہشت نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور تنہائی کے شدید احساس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میرے اٹھتے

ہوئے قدم خود بخود رک گئے۔ جیسے انہیں زمین نے جکڑ لیا ہو..... میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ میرا اگلہ قدم آگے کی طرف بڑھے گا یا مَیں پیچھے کی طرف دوڑ لگا دوں گا۔ مَیں نے اپنے حواس پر قابو پانے کی سر توڑ کوشش کی' لیکن جونہی مَیں اس بڑے پتھر کے پہلو سے راستہ کاٹ کر گزرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لاش چت پڑی ہے۔ یہ ایک سیاہ فام دراز قد جوان تھا۔ اس کے گھنگھریالے بال بِکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں پوری طرح کھلی جیسے کسی کو گھور رہی ہوں اور نیم وا ہونٹوں میں سے چمکیلے دانت جھانک رہے تھی۔ گردن پر ایک ریشمی اسکارف لپٹا ہُوا تھا اور کانوں میں ملاحوں کی سی بالیاں تھی۔ اس ویرانے میں ایک لاش دیکھ کر خوف اور دہشت سے میرا بُرا حال تھا اور پسینے کے قطرے میری پیشانی سے بہہ نکلے تھے' اس کے باوجود میں آگے بڑھا اور لاش کو قریب سے دیکھنے لگا۔ یوں لگتا تھا کہ اسے مرے ہوئے کئی دن ہو چکے ہیں۔ اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ سرد اور لٹھے کی مانند سفید تھے۔ سبز رنگ کی قمیض چیتھڑے چیتھڑے ہو چکی تھی اور لاش کا سینہ بری طرح نوچا کھسوٹا گیا تھا۔ گھبراہٹ اور پریشانی کے باوجود میرے ذہن میں عجیب سی تشبیہ ابھری جیسے کوئی بڑا سا طوطا پر پھیلائے مرا پڑا ہو۔

مَیں نے اپنا تھیلا زمین پر رکھا اور لاش کے پاس جا بیٹھا اور اس کا بغور جائزہ لینے لگا۔ جونہی مَیں نے اس کی کروٹ بدل کر دیکھا تو اس کی کھوپڑی پر بہت بڑا اور گہرا زخم نظر آیا جو شاید کسی کند آلے یا پتھر سے لگایا گیا تھا۔

مَیں نے پولیس میں رپورٹ کرانے کا فیصلہ کر لیا۔۔۔۔۔۔نزدیک ترین پولیس اسٹیشن شیڈز ہوم ہی تھا۔ شیڈز ہوم میرے اندازے کے مطابق ابھی دس میل دور تھا۔ اب میں نے دوڑنا شروع کر دیا' کیونکہ وقت سہ پہر سے بھی کچھ آگے نکل چکا تھا۔ کوئی دو تین میل کی دوڑ کے بعد چھوٹی سی ریلوے لائن دکھائی دی جو غالباً کوئلے کی کسی کان سے کوئلہ لانے والی چھوٹی ٹرین کی تھی۔ تھوڑی ہی دور چلا ہوں گا کہ دور سے انجن کی سیٹی سنائی دی۔ یقین کیجئے اس خوشی کو مَیں آج تک فراموش نہیں کر سکتا جو اس وقت انجن کی وِسل سن کر میرے رگ و پے میں دوڑ گئی تھی اور اعصاب شکن

تنہائی اور سکوت کا طلسم ٹوٹ سا گیا تھا۔ میری رفتار میں کچھ کمی واقع ہو گئی تو میں سوچنے لگا کہ وہ بدنصیب کون ہو سکتا ہے اور اس بے آباد جگہ کیا کرنے آیا تھا اور اگر کسی اور جگہ قتل کر کے اسے یہاں پھینکا گیا ہے تو قاتل نے اس کی لاش اس طرح کھلی کیوں چھوڑ دی۔ وہ اسے آسانی سے کسی چٹان کی دراڑ یا کھوہ میں دفن کر سکتا تھا۔ اس کے لئے کسی خاص تردد کی ضرورت بھی نہ تھی، صرف ایک چھوٹا سا کھرپا کافی ہوتا۔ سوچتے سوچتے میں شیڈز ہوم کے قریب پہنچ گیا تھا اور آبادی ایک میل سے زیادہ دور نہ تھی۔ اچانک گرجا گھر کے گھنٹے نے سکوت توڑ دیا، ٹن......ٹن......ٹن ہائیں! ہفتے کے روز گرجے کا گھنٹہ کیوں بج رہا ہے؟

شیڈز ہوم جیسی چھوٹی جگہ تو سیٹرڈے سروس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور تجہیز و تکفین کا انتظام بھی اتنی چھوٹی جگہوں پر شام کے وقت نہیں ہو سکتا۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ ہفتے کی شام اور گرجے کا گھنٹہ! کیوں؟ اسی شش و پنج میں الجھا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ بستی کا بازار آ گیا تھا اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ تمام دکانیں بند ہیں اور لوگ اتوار کے مخصوص لباس میں اِدھر اُدھر آ جا رہے ہیں۔ میں نے سب سے پہلے پولیس اسٹیشن تلاش کیا، یعنی اس کانسٹیبل کا جھونپڑا جو اکیلا اس آبادی میں پولیس اور کسی حد تک عدالت کا کام سنبھالے ہوئے تھا۔ وہ چھوٹے موٹے جھگڑے وہیں لوگوں کے سامنے نپٹا دیا کرتا تھا، اور یوں بار بار ہیڈ آفس رپورٹ کے لئے جانے سے بچ جاتا۔ آبادی میں بھی امن قائم تھا۔

کاٹیج کے دروازے پر پہنچ کر میں نے دستک دی تو اندر سے ایک ادھیڑ عمر عورت نکلی جو کانسٹیبل کی بیوی تھی۔ اس نے بتایا کہ مسٹر کانسٹیبل گھر پر موجود نہیں اور وہ اگلی صبح آئیں گے۔ کچھ کہنے کا فائدہ نہ تھا۔ عجیب سی بات یہ کہ جس واقع کی اطلاع دینے میں پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا آیا تھا، اس کی اطلاع نہ دینے پر مجھے طمانیت کا احساس ہوا۔ جیسے میرا کوئی بہت بڑا راز افشا ہونے سے بچ گیا ہو۔ میں اپنی اس کیفیت پر خود ہی حیران ہوتا ہوا سیدھا کشتی سرائے میں چلا آیا۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ میں نے دو تین مرتبہ دستک دی۔ تب کہیں جا کر سرائے کی بوڑھی مالکہ نمودار

ہوئی۔ اس نے مجھے فوراً پہچان لیا۔ بولی ! آؤ آؤ' تمہیں جگہ مل سکتی ہے۔ اتفاق سے تمہارا پہلے والا نمبر تین کیبن خالی ہے۔ سیڑھیاں چڑھ کر چلے جاؤ۔ لڑکیاں باہر گئی ہوئی ہیں۔ اس لئے کھانے کو جو کچھ موجود ہے' تمہیں وہی لینا پڑے گا۔

ٹھیک ہے' کوئی بات نہیں کہہ کر میں اسی کیبن میں چلا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔اور منہ ہاتھ دھو کر واپس آیا تو مسز شیفٹو کھانا لگا رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔میں آتش دان کے قریب بیٹھ گیا' کیونکہ سردی خاصی بڑھ گئی تھی۔ مسز شیفٹو برتن لگاتے ہوئے ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں بھی کرتی جاتی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں ! "دراصل ہمارے ہاں گاہک صرف موسم بہار اور سردیوں کے شروع میں آتے ہیں' باقی سارا سال ہم افلاس میں کاٹتے ہیں۔ یہ چھوٹا سا گاؤں بہت ہی قابلِ رحم ہے۔ ہمیں تو ایک مسافر سے بھی بہت فرق پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ہر آنے والے کی خوب پہچان ہو جاتی ہے۔ کوئی ایک مرتبہ ٹھہر جائے تو پھر ہم اسے پہچاننے میں تمام عمر غلطی نہیں کر سکتے' اور آپ تو پھر ابھی پچھلے منگل کو یہاں ٹھہرے تھے۔ اچھا جناب ! یہ رہا آپ کا کھانا اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو گھنٹی بجا دینا۔" وہ جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ میں نے کہا ! "وہ تو سب ٹھیک ہے' مسز شیفٹو لیکن کیا بات ہے' آج سرائے میں بڑی خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہفتے کی شام کو تو بہت رش ہوتا ہے۔"

"اتوار کو ہم زیادہ بزنس نہیں کرتے صرف باہر سے آ کر ٹھہرنے والے مسافروں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ہمارا لائسنس چھ دن کا ہوتا ہے' اتوار کو ہم چھٹی کرتے ہیں۔ معاف کرنا' مجھے شاید کوئی بچہ بُلا رہا ہے۔ اس وقت میں اکیلی کام کر رہی ہوں' لڑکیاں چرچ گئی ہوئی ہیں' یہ کہہ کر وہ جلدی سے اندر گئی اور میرے چہرے پر ان الفاظ کا ردِعمل نہ دیکھ سکی۔ اتوار؟ تو آج اتوار ہے؟ جبھی.....بازار کا سارا منظر میرے سامنے گھوم گیا جو واقعی اتوار کی نشاندہی کر رہا تھا۔ "نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ابھی صبح ہفتہ تھا اور شام کو اتوار کیسے ہو گئی؟" سامنے کیلنڈر پر نظر پڑی تو اس کی تاریخ بدلی ہوئی تھی۔ اتوار 28 ستمبر..... آدھ گھنٹہ پہلے گرجا گھر کی گھنٹی بجتے ہوئے بھی سن چکا تھا۔ لوگ بھی اِدھر اُدھر اتوار کی سی فراغت سے گھوم پھر رہے تھے۔ اس کا

مطلب یہ ہُوا کہ آج ہفتہ نہیں ہے' مجھے غلطی لگی ہے اور پچھلے ہفتے کا کوئی ایک دن میَں نے کہیں ضائع کر دیا' لیکن کہاں؟ میَں نے پریشان ہو کر اپنی پاکٹ ڈائری نکالی۔ ہر تاریخ کے آگے اس دن کا مختصر احوال درج تھا۔ میرا خیال ہے' مجھے اپنے سفر کے آغاز کی تاریخ دیکھنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے اسے درج کرنے میں مجھ سے غلطی ہوئی ہو اور اسی ترتیب سے میَں ڈائری میں غلط دن نوٹ کرتا رہا ہوں۔ میَں نے اپنے ٹکٹ کا وہ بقیہ آدھا حصہ نکال کر دیکھا جو چیکنگ کے بعد مجھے واپس کیا گیا تھا۔ یہ اس امر کا ثبوت تھا کہ واقعی میَں نے اپنا سفر بروز پیر بائیس ستمبر کو شروع کیا تھا۔ رات ڈنزلے میں سویا تھا اور منگل کو شیڈز ہوم کی کشتی سرائے میں ٹھہرا تھا۔ جہاں میں اس وقت موجود ہوں۔

بدھ' ریپ مُور اور جمعرات' فرینک سٹون ایج میں اور جمعے کا دن میں نے گارٹن میں گزارا۔ اگلے دن یعنی آج صبح ہفتے کو گارٹن سے کوچ کیا تو راستے میں لاش ملی جس کی اطلاع دینے مجھے شیڈز ہوم آنا پڑا' لیکن یہاں آکر معلوم ہُوا کہ آج اتوار ہے۔ آخر یہ سب کیا ماجرا ہے؟ میرے ہر دن کی مصروفیت کا حال میری ڈائری میں درج ہے۔ حتیٰ کہ سراؤں کے بل وغیرہ تک موجود ہیں۔ پھر یہ پورے چوبیس گھنٹے کا ایک دن کہاں کھو دیا میَں نے؟ میَں سوچ سوچ کر چکرا رہا تھا اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کبھی کبھار کی چھوٹی موٹی بدحواسی کے سوا جو ہر نارمل انسان سے ہو سکتی ہے' مجھ سے اتنی بڑی بدحواسی کبھی سرزد نہ ہوئی تھی۔ میَں باربار گذشتہ ہفتے کی مصروفیات یاد کرتا' لاکھ ذہن پر زور ڈالتا' یہ بات کسی طرح عقل میں نہ آتی کہ آج صبح ہفتے کو چلا تو شام ہوتے ہوتے اتوار کیسے آ گئی۔ مَیں جتنا سوچتا' اتنا ہی الجھتا اور پریشان ہو جاتا۔

کھانا ختم کر کے اپنا ہیٹ اٹھایا اور سرائے سے باہر نکل آیا۔ جلدی جلدی گرجا گھر کی طرف روانہ ہُوا۔ گیٹ پر رک کر سگریٹ سلگانے کے بہانے اندر سے آنے والی آواز پر کان لگا دیئے۔ واقعی یہ پادری کے دعائیہ کلمات کی آواز تھی۔ اس کا مطلب ظاہر تھا کہ اندر اتوار کی عبادت ہو رہی ہے جو اب ختم ہونے کو تھی۔ میں ایک عجیب

الجھن اور ڈپریشن کے بوجھ تلے دبا' بھاری قدموں سے چلتا ہُوا' واپس سرائے میں آیا اور سیدھا اپنے کیبن میں چلا گیا اور سوچنے لگا کہ یہ سارے کا سارا قصبہ کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے۔ ان سب کی یادداشتوں کو کیا ہو گیا ہے؟ خدا کا شکر ہے کہ میری یادداشت درست ہے۔ خوا مخواہ یہ سب کے سب مجھے پاگل کئے دے رہے ہیں۔ اس خیال نے وقتی طور پر مجھے تسلی ضرور دی اور مَیں بستر میں لیٹ گیا۔ لیکن رہ رہ کر ذہن میں اٹھنے والے سوالات دبائے نہ جا سکے۔ اچانک میری نظر مینٹل پیس پر رکھے کاٹیج ہسپتال کے خیراتی کیش بکس پر جا پڑی جو مسافروں کے لئے رکھا ہُوا تھا کہ وہ حسبِ توفیق مقامی مریضوں کے لئے کچھ خیرات میں ڈال جائیں۔ کیش کا خیال کوندے کی طرح لپکا۔ کیوں نہ میں اپنی کیش بک دیکھوں جس میں روزانہ اخراجات کا حساب اور بلوں کی ادائیگی کا اندراج کرتا ہوں شاید وہ اس معمے کے حل کرنے میں میری کچھ مدد کر سکے۔ مَیں نے جلدی سے اپنی کیش بک نکالی اور بے صبری سے ورق الٹے۔ پہلی نظر میں مجھے کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ انہی بستیوں اور سراؤں کے بل تھے۔ جہاں میں اپنی یادداشت کے مطابق وقت گزار چکا تھا۔ کوئی نیا نام یا مقام سامنے نہ آیا۔ مَیں نے دوبارہ غور سے پڑھنا شروع کیا۔ ایک عجیب سی بات سامنے آئی کہ شیڈز ہوم کے بل کی ادائیگی دگنی درج تھی۔ گویا میں نے منگل کے علاوہ بدھ کو بھی یہیں قیام کیا ہو گا۔ اب میں نے بیل بجائی اور مسز شیفٹو کو صبح کے ناشتے کا آرڈر دینے کے بہانے بلایا اور جب وہ آرڈر لے کر جانے لگیں تو مَیں نے بظاہر بے پروائی سے سوال کیا!

"مسز شیفٹو! مَیں بھلا پہلے کس دن آپ کے یہاں ٹھہرا تھا؟"

"جناب! منگل اور بدھ کی رات آپ یہاں ٹھہرے تھے اور جمعرات کی صبح یہاں سے ریپ مُور روانہ ہو گئے تھے۔ اچھا جناب' شب بخیر! ناشتہ آپ کو ٹھیک ٹائم پر مل جائے گا"۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

میرا خیال درست نکلا کہ بدھ کی رات ہی ساری گڑبڑ ہوئی ہے اور میرا دن شیڈز ہوم ہی میں کھویا ہے۔ مسز شیفٹو کے رویئے سے ایک بات صاف ظاہر تھی کہ مَیں بہرحال اس دن ایک نارمل آدمی کی طرح رہا ہوں گا۔ کوئی حرکت مجھ سے ایسی

سرزد نہیں ہوئی جس کی بنا پر مسز شیفٹو کسی شبہے میں مبتلا ہوتی۔ ایک اور بات یہ بھی طے تھی کہ مَیں نے وہ سارا دن باہر گھومنے پھرنے میں گزارا ہو گا اور رات کو آ کر سو رہا ہوں گا، کیونکہ بل میں دوپہر کے کھانے کا ذکر نہیں تھا، تاہم یہ الجھن اپنی جگہ پر تھی کہ وہ دن کس مصروفیت میں گزرا ہو گا۔ اسی ادھیڑ بن میں ساڑھے نو بج گئے۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اپنی توجہ ہٹانے اور نیند لانے کی خاطر مَیں نے کچھ پڑھنے کی ٹھانی اور سائیڈ بورڈ سے شمع اٹھا کر پلنگ کے سرہانے رکھ لی۔ اس چھوٹے سے کمرے میں جہاں ضرورت کی ہر چیز تھی، وہاں ایک چھوٹا سا شیلف کتابوں کا بھی تھا۔ جس میں پانچ سات کتابیں اور کچھ پرانے رسالے رکھے تھے۔ انہیں پرانے رسالوں میں سے مَیں نے ایک پرچہ اٹھایا اور اپنے بستر پر لیٹ کر ایک کہانی پڑھنی شروع کی اور آخر تک ختم کر ڈالی۔ اس میں کوئی خاص بات نہ تھی۔

کہانی کے آخر میں پورے صفحہ پر ایک تصویر چھپی تھی جس پر عنوان درج تھا "ایک ایسا منظر جسے وہ کبھی نہ بھلا سکا"۔ تصویر دیکھ کر میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اُف، میرے خدا! یہ تو ہو بہو وہی منظر تھا جو مَیں آج دیکھ کر آ رہا تھا کہ ایک شخص ایک ملاح کی لاش پر جھکا ہُوا بالکل اسی انداز سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے مَیں آج اس ویرانے میں گھٹنوں کے بَل جھک کر اس لاش کو دیکھ رہا تھا۔ اس سے بھی زیادہ دل ہلا دینے والی بات یہ تھی کہ تصویر میں مقتول کی شکل و شباہت اور حلیہ وہی تھا اور وہی کھلی آنکھیں تھیں اور چیپ لیٹنے کا انداز اور کانوں میں بالیاں بھی اسی انداز کی تھیں۔ مَیں بتا نہیں سکتا کہ وہ تصویر دیکھنے کے بعد میری کیا حالت ہوئی۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

ایک احساسِ جرم جانے کیوں میرے ضمیر سے چمٹ کر رہ گیا۔ میری یادداشت کا کھو جانا اور پھر ویرانے میں لاش کا دیکھنا اور پھر اسی لاش کی تصویر ایک پرانے رسالہ میں پا لینا، ضرور ان کے پیچھے کچھ نادیدہ عوامل کار فرما ہیں اور ان کا میری ذات سے بھی کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔ اوہ، تو کیا واقعی مَیں کسی ان دیکھی طاقت کا آلۂ کار تو نہیں بن رہا؟ کینن کا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا جو کہہ رہا تھا کہ ایک نہ ایک دن

میری بات کے قائل ہو جاؤ گے۔ مَیں کس کا آلۂ کار تھا' اور کیوں تھا' یہ تو مَیں نہیں جانتا تھا' لیکن اس پاگل کر دینے والی الجھن سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ مَیں پولیس کو اس لاش کی اطلاع کے علاوہ اپنی یادداشت کے کھو جانے اور دوسرے حیران کن واقعات کا ذکر بھی کر دوں۔ کبھی خیال آتا' ممکن ہے پولیس اپنی تفتیش کا آغاز ہی مجھ سے کرے اور میں خوا مخواہ کی مصیبت میں مبتلا ہو کر کسی دوسرے کی سزا بھگتنے پر مجبور ہو جاؤں۔ پھر سوچتا کہ اپنے آپ کو ضمیر کی سزا سے بچانے کا ہی ایک راستہ ہے اگر میرا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں تو خوف کس بات کا؟ ورنہ شبہات کے خار میری روح میں کھٹکتے رہیں گے۔ یہ فیصلہ کر کے مَیں اطمینان سے بستر میں لیٹ گیا جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

○

صبح کے نو بجے مَیں نیند سے بیدار ہُوا۔ کھڑکی میں سورج کی کرنیں چھن چھن کر آ رہی تھیں۔ پوری نیند کر لینے سے میری طبیعت خاصی ترو تازہ تھی اور رات کے خوفناک خیالات اب محض خواب کی طرح لگ رہے تھے۔ مَیں نے سرہانے سے اٹھا کر رسالہ واپس اسی شیلف میں رکھ دیا اور غسل خانے میں گھس گیا۔ تیار ہو کر باہر نکلا تو مسز شیفٹو کو ناشتے سمیت محو انتظار پایا۔

"صبح بخیر مسٹر! کیا آپ آج بھی گھومنے جائیں گے؟ اگر پسند کریں تو کچھ سینڈوچ اور پانی کی بوتل وغیرہ تیار کر دوں؟"

"ہاں مسز شیفٹو! بالکل ٹھیک ہے۔ مَیں شام کو چار پانچ بجے سے پہلے نہ لوٹ سکوں گا"۔

"بہت بہتر سر!" یہ کہتے ہوئے مسز شیفٹو دورازے سے نکل گئیں اور جونہی مَیں نے ناشتہ ختم کیا' وہ سینڈو چز کا پیکٹ لے کر پہنچ گئی۔

تقریباً گیارہ بجے مَیں سرائے سے باہر نکل آیا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی میرے قدم خود بخود کل کے راستے پر اٹھنے لگے اور مَیں نے کوئی مزاحمت بھی نہ کی۔ آخر مَیں اُس چٹان تک پہنچ گیا جہاں کل دوپہر

لاش دیکھ کر گیا تھا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اب وہاں کوئی لاش تھی' نہ اس کا کوئی نشان۔ مَیں جلدی سے چٹان کے اوپر چڑھ گیا اور دور دور تک دیکھتا رہا کہ شاید اسے کوئی جانور اٹھا کر لے گیا ہو لیکن تاحدِ نظر ایسی کوئی علامت نہ ملی۔

میرا پہلا قیاس یہی تھا کہ شاید مَیں نے جگہ پہچاننے میں غلطی کی ہے اور ویسی ہی کسی ملتی جلتی چٹان پر آگیا ہوں۔ تب مَیں نے جھک کر اپنے ہی قدموں کے نشان تلاش کرنا چاہے اور فوراً اپنے بوٹوں کے نشان پہچان لئے جو یہیں ایک جگہ رک کر میرے آنے والے راستے کی طرف مڑ گئے تھے۔ اب اس میں شک کی ذرا گنجائش نہ تھی کہ جگہ یقیناً وہی ہے' تو پھر لاش کہاں گئی؟ عین ممکن ہے کہ یہاں سرے سے کوئی لاش ہی نہ ہو۔ ایک لمحے کے لئے مجھے اپنا دماغ گھومتا ہُوا محسوس ہُوا پھر ایک خیال کوندے کی طرح لپکا کہ یقیناً میرا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے اور یہ سب کچھ میرا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ مَیں اس وقت یقینی طور پر دورے کی سی کیفیت میں تھا۔ بے بس ہو کر مَیں گھٹنوں کے بَل جھک گیا اور خدائے بزرگ و برتر سے رحم کی بھیک مانگنے لگا اور پھر اُٹھ کر بوجھل قدموں سے واپس شیڈز ہوم چل پڑا۔ راستے میں فیصلہ کیا کہ مَیں کل ہی اپنی چھٹی ختم کرا لوں گا اور واپس جا کر کسی اچھے نیورو سپیشلسٹ سے اپنا معائنہ کراؤں گا۔ مزید اذیت برداشت کرنا میرے بس میں نہیں۔

سرائے میں پہنچ کر مَیں نے تھوڑا سا آرام کیا اور رات کا کھانا کھانے کے بعد بہت دیر تک ایک باتونی بڈھے سے باتیں کرتا رہا۔ مَیں جب نیند سے نڈھال ہونے لگا تو اُٹھ کر اپنے کیبن میں آگیا جہاں کچھ اور پُراسرار واقعات میرے تعاقب میں تھے۔

اگلی صبح ناشتے کی میز پر بیٹھا تو مسز شیفٹو نے تازہ اخبار لا کر رکھ دیا۔ جونہی مَیں نے اخبار اٹھا کر دیکھا' میرے ہاتھ سے کانٹا چھُٹ کر پلیٹ میں گر گیا۔ اخبار بدھ' یکم اکتوبر کا تھا اور میرے حساب سے آج منگل تیس ستمبر کا دن تھا۔ بدحواسی کی وجہ سے ناشتہ ادھورا چھوڑ کر میں اُٹھ کھڑا ہُوا اور کمرے میں آگیا۔ میرے چہرے کے تغیرات سے شاید مسز شیفٹو نے یہ سمجھا کہ میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ وہ جھٹ پٹ ٹھنڈے مشروب کا گلاس لئے میرے پیچھے پیچھے کمرے میں آ گئی۔

"میرا خیال ہے مسٹر! آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ آرام کیجئے اور یہ مشروب پیجئے۔" میرے صبر کا پیمانہ لبریز تھا۔ مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مَیں نے کہا۔"مسز شیفٹو! جانے مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے' مَیں اپنی یادداشت کھونے لگا ہوں۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ منگل کو یعنی کل مَیں کیا کرتا رہا۔"

"اوہ گھبرایئے نہیں جناب! ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ خدا آپ پر رحم کرے مَیں آپ کو بتاتی ہوں۔ کل آپ نے سارا دن ساحلی چٹانوں میں گزارا۔ صبح ناشتے کے وقت میں نے آپ کو ساتھ لے جانے کے لئے سینڈوچ بھی بنا کر دیئے تھے اور رات کو کھانے کے بعد دیر تک آپ اس بڈھے مسافر سے باتیں کرتے رہے جو آج صبح صبح اپنے جہاز کے ساتھ روانہ ہو گیا ہے۔"

"اچھا تو پھر مَیں پیر کو کیا کرتا رہا؟" مَیں نے پوچھا۔

"اس دن بھی جناب نے سارا دن باہر ہی گزارا تھا۔ آپ مجھ سے ایک کھرپا مانگ کر لے گئے تھے۔ شاید کسی پرندے کو دفن کرنا تھا۔ ہاں! کسی سبز طوطے کا نام لیا تھا آپ نے۔ مجھے اس لئے بھی یاد ہے کہ آپ اس رات بہت دیر سے لوٹے تھے۔"

"اچھا! تو آپ جلدی سے میرا بل لایئے مَیں واپس جا رہا ہوں۔ آج اور ابھی"۔ مسز شیفٹو چلی گئی تو اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے مَیں نے رسالے کی وہی جلد نکالی جس میں مقتول ملاح کی تصویر تھی۔ جلد جلد ورق الٹ کر اس کہانی کے اختتام پر پہنچا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں اس قسم کی کوئی تصویر موجود ہی نہ تھی۔ مَیں زور زور سے چیخنا چاہتا تھا' لیکن بمشکل تمام اپنے آپ پر قابو رکھا اور رسالے کی ابتدا میں مندرجات دیکھنے شروع کر دیئے۔ مندرجات کے مطابق اس تصویر کو کیپشن سمیت موجود ہونا چاہیے تھا اور جب رسالے کو اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ تصویر والا صفحہ کسی نے بڑی صفائی سے پھاڑ لیا ہے۔ رسالہ بند کر کے تقریباً دوڑتا ہوا نیچے اترا اور مَیں نے قریبی اسٹیشن پہنچ کر دم لیا۔ گاڑی پکڑی اور وہاں کے نسبتاً بڑے پولیس اسٹیشن جا کر پولیس انسپکٹر کو پوری کہانی من و عن سنا دی۔ پہلے تو انسپکٹر کو میری کہانی پر یقین ہی نہ آیا اور مجھے پاگل سمجھتا رہا' لیکن جب مَیں نے اپنا

تعارفی کارڈ پیش کیا تو اسے ماننے ہی بنی۔ اسی وقت دو مددگاروں کے ہمراہ میرے ساتھ روانہ ہو گیا اور دو تین دن کی سرگرم تفتیش سے خاصے حوصلہ افزاء نتائج برآمد ہوئے۔ لاش میری بتائی ہوئی جگہ سے مل گئی جسے بڑی چٹان کی دراڑ میں تھوڑی سی جگہ کھود کر اس ہوشیاری سے چھپایا گیا تھا کہ اگر نشان دہی نہ کی جاتی تو قیامت تک کسی کو معلوم نہ ہو سکتا۔

دوران تفتیش ایک گیم کیپر کی شہادت نے سارا کام آسان کر دیا۔ اس نے بتایا کہ چوبیس ستمبر کو مَیں نے یہاں دو آدمی گزرتے ہوئے دیکھے تھے۔ جن میں سے ایک پادری کے لباس میں اور دوسرے کا حلیہ بیرونی ملاحوں کا سا تھا۔ مَیں نے انہیں پکارا' لیکن وہ رُکے نہیں' شاید فاصلہ زیادہ تھا' اور آواز ان تک نہ پہنچ سکی۔ وہ پادری میں ہی تھا۔ میرے بارے میں پوری چھان بین کی گئی اور کئی ماہر ڈاکٹروں کو بلا کر میرا معائنہ کرایا گیا اور مجھے پورے طور پر صحت مند قرار دیا گیا۔ آخرکار یہ ثابت ہُوا کہ قتل کی یہ واردات میرے پہلے گمشدہ دن کے دوران مجھ سے سرزد ہوئی تھی اور اسے چھپانے کی حرکت دوسرے گمشدہ دن میں ہوتی رہی ـــــــ مَیں نے کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اس فیصلہ پر سر جھکا دیا تھا' کیونکہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ سب کچھ مجھ ہی سے سرزد ہُوا ہے۔ تاہم یہ افسوس ضرور تھا کہ میری اس غریب ملاح سے کبھی کوئی ملاقات نہ ہوئی تھی اور نہ اس سے میری کوئی دشمنی تھی اور پھر کیپٹن ایلڈرڈ کے الفاظ اور اس کی آنکھوں کی چمک مجھے یاد آئی تو اپنا سر گھومتا ہُوا محسوس ہُوا۔ تو کیا مجھے کسی شیطانی قوت نے اپنا آلۂ کار بنا لیا تھا؟

کہیں کیپٹن نے اپنی بات منوانے کے لئے تو...... نہیں نہیں؟ ایسا نہیں ہو سکتا' لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عمر قید کی سزا بھگتنے سے لے کر آج تک میرا کوئی دن گم نہیں ہُوا۔ رہا ہونے کے بعد جب مَیں سیدھا اپنے چرچ میں ایلڈرڈ کیپٹن سے ملنے گیا تو معلوم ہُوا کہ وہ اُسی دن سے غائب ہے جس دن مجھ سے ایک معصوم اور بے گناہ ملاح قتل ہُوا تھا۔

دانتوں کے نشان

کمیٹی روم میں صرف دو افراد موجود تھے۔ موسیو سپینگلر اور ڈارلیس دونوں نے اپنے سامنے میز پر دھرے کاغذات درست کئے' اپنی اپنی پنسلیں نکال کر کچھ پوائنٹ نوٹ کئے اور انکوائری کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ سپینگلر نے سر اٹھا کر ڈارلیس کی طرف استفہامیہ انداز سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا خیال ہے' ڈارلیس انکوائری کی کاروائی شروع کر دی جائے"۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔۔یقیناً ہمیں اپنا کام شروع کر دینا چاہیے"۔ ڈارلیس نے پنسل کاغذات پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

سپینگلر نے انٹرکام کا بٹن دبایا اور کہا۔ "ڈاکٹر کو اندر بھیج دیجئے"۔

"یس سر"۔ دوسرے کمرے میں بیٹھی خوبصورت سیکرٹری نے انٹرکام پر حکم کی تعمیل کی۔ چند لمحے کے بعد دروازہ کھلا' ایک دبلا پتلا خوش لباس نوجوان اندر داخل ہوا۔

"موسیو فیگری؟" سپینگلر نے نوادرد سے پوچھا۔

"جی جناب!"

"تشریف رکھئے"۔ سپینگلر نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ"۔

فیگری کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے سنجیدہ کرخت چہرے سے سپینگلر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کسی سے مرعوب ہونے والا نہیں اور اس سے ذرا سنبھل کر بات کرنا ہو گی۔

ڈارلیس نے اپنی عینک اتار کر صاف کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "ڈاکٹر میں آپ کو یہ بتانا دینا چاہتا ہوں کہ یہ کوئی باضابطہ رسمی انکوائری نہیں۔ فی الحال میں اور موسیو سپینگلر صرف لینوور کی سزائے موت کے وقت پیش آنے والے واقعات اور محرکات کا ابتدائی جائزہ لے رہے ہیں"۔

"ابتدائی جائزہ؟ کس چیز کا؟" ڈاکٹر فیگری نے بھویں چڑھا کر ڈارلیس کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر آپ کو اس کرخت لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے"۔ ڈارلیس نے عینک دوبارہ لگاتے ہوئے دھیمے لہجے میں تنبیہہ کی۔

"سوری مسٹر ڈارلیس۔" ڈاکٹر فیگری کچھ نرم پڑا۔

"ویسے بھی ڈاکٹر اس معاملے میں آپ کو اپنی پوزیشن کے متعلق زیادہ تشویش نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس کی زیادہ تر ذمہ داری جیل حکام پر عائد ہوتی ہے۔ جو کچھ ہوا وہ جیل حکام کی مرضی یا اجازت کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا۔ اگر وہ آپ کو اجازت نہ دیتے تو آپ اپنے یہ تجربات کس طرح کر سکتے تھے؟" ڈارلیس نے پھر اپنے چشمے سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"بالکل بالکل' جب ہماری یونیورسٹی کے سربراہ نے جیل گورنر کو اس سلسلے میں لکھا تو مَیں نہیں سمجھتا کہ ہمیں اس کی اجازت مل سکتی ہے۔ ہمیں علم تھا کہ یہ کس قدر مشکل کام ہے بہرحال مَیں نے یہ تجربہ جیل کے اعلیٰ حکام کی اجازت سے کیا ہے اور......اور"۔

"بہرحال ڈاکٹر فیگری! یہ سب کچھ تو ہم بعد میں دیکھیں گے فی الحال تو ہمیں صرف یہ جاننا ہے کہ اصل واقعات کس طرح اور کیسے وقوع پذیر ہوئے؟ مجھے معلوم ہوا ہے سزائے موت کے قیدی لینوور سے آپ کی پہلی ملاقات عجیب طرح سے ہوئی

تھی۔ کیا آپ سب کچھ بیان کریں گے؟" ڈارلیس نے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں؟ مَیں نے جیل گورنر سے اپنی دوسری ملاقات میں قیدی لینوور سے ملنے کی اجازت مانگی جو مجھے دے دی گئی"۔ ڈاکٹری فیگری کہنے لگا۔ "ایک محافظ کے ہمراہ مجھے قیدی کی کوٹھڑی تک لے جایا گیا لیکن وہاں پہنچ کر محافظ نے بتایا کہ مجھے قیدی سے بات چیت کے لئے صرف دس منٹ کا وقت دیا گیا ہے۔ مَیں نے کہا ٹھیک ہے لیکن اس دوران میں کوئی محافظ ہمارے پاس موجود نہیں رہے گا تاکہ قیدی کھل کر میرے ساتھ بات کر سکے! تاہم راہداری میں ایک محافظ اتنے فاصلے پر کھڑا کر دیا گیا کہ عام آواز میں کی جانے والی گفتگو وہ نہیں سن سکتا تھا۔ لیکن اگر مَیں زور سے پکارتا تو وہ فوراً مدد کو پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ جیل انتظامیہ کے خیال میں لینوور بہت خطرناک آدمی تھا اور میری کسی بات پر مشتعل ہو کر مجھ پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔

"مجھے یہ بھی ہدایت کی گئی کہ مَیں مجرم سے قدرے فاصلے پر رہ کر بات کروں' اپنی سیر کی چھڑی پر ہاتھ کی گرفت مضبوط رکھوں اور اگر وہ کسی وقت مجھ سے پانچ قدم سے زیادہ نزدیک آنا چاہے یا حملہ آور ہونے کے بارے میں سوچے تو بلا تکلف یہ چھڑی اپنے دفاع کے لئے استعمال کروں' حتیٰ کہ محافظ میری مدد کو پہنچ جائے۔ یہ سب کچھ سمجھا کر مجھے مجرم لینوور کی کوٹھڑی میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ جونہی دورازہ کھلنے کی آواز آئی لینوور بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر کسی ملاقاتی سے نہ ملنے کی خواہش جیسے تاثرات اُبھرے۔ وہ تیوری پر بل ڈال کر بولا۔

"اچھا تو تم کوئی دوسرے پادری ہو؟"

مَیں نے سر جھٹک کر کہا "نہیں' مَیں پادری نہیں۔ مَیں تمہارے لئے اس وقت تمہارے ہی مفاد میں ایک ایسا قابلِ عمل منصوبہ لایا ہوں جسے تم زیادہ توجہ سے سننا پسند کرو گے۔ مَیں ایک ڈاکٹر ہوں اور تمہیں صبح ملنے والی سزائے موت کے متعلق تم سے بات کرنے آیا ہوں۔ مَیں اس حالت میں تمہاری بہتری کے لئے کچھ کر سکتا ہوں' تمہارے کچھ کام آ سکتا ہوں"۔

لینوور پر میری اس تقریر کا جیسے کوئی اثر نہ ہوا اور وہ دانت پیس کر بولا "کیا تم سمجھتے ہو کہ میرے لئے کوئی بہتری کر سکتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔" مَیں نے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "کل!...... کل کوئی میرے لئے کیا کر سکتا ہے؟"

"لیکن مَیں کر سکتا ہوں" مَیں نے پھر دعویٰ کیا۔

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہاری مدد"۔ وہ بیزار ہو کر بڑبڑایا۔

"مَیں وہ کچھ کر سکتا ہوں جس کے بارے میں تم نے سوچا بھی نہ ہو گا"۔ مَیں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تمہارے تین بچے ہیں۔ کیا نہیں؟"

"ہاں، ہیں! پھر؟" اس کی نظروں میں تھوڑا سا اشتیاق نظر آیا۔

"جب تم کل اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے تو وہ یتیم ہو جائیں گے۔ مَیں نے اس سلسلے میں ساری معلومات حاصل کر لی ہیں۔ تمہارا کوئی بہن بھائی یا رشتے دار ان کی پرورش اور نگرانی کی ذمے داری قبول کرنے کو تیار نہیں"۔

"ہاں مجھے بھی معلوم ہے۔" لینوور کے چہرے پر مایوسی صاف نظر آ رہی تھی۔

"انہیں کسی یتیم خانے میں داخل کرا دیا جائے گا جہاں وہ جوان ہونے تک کسمپرسی کے عالم میں محرومیوں کی زندگی بسر کریں گے۔ تم جانتے ہو کہ یتیم خانوں کا ماحول کیسا ہوتا ہے، وہاں سے بچے کئی طرح کے نفسیاتی اور جسمانی عوارضات کا شکار ہو کر نکلتے ہیں۔ ایسے بچے بڑے ہو کر مشکل ہی سے معزز اور مفید شہری بن سکتے ہیں اور تمہارے بچوں کے ساتھ تو یتیمی ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ ان کی زندگی میں یہ اضافی المیہ بھی ہو گا کہ وہ ایک مجرم اور سزائے موت پانے والے باپ کی اولاد ہیں۔ معاشرے میں کوئی انہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا اور وہ کبھی سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں ہو سکیں گے۔" مَیں نے لینوور کو ایک جذباتی حوالے سے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

"تو پھر مَیں کیا کروں؟ مَیں کر ہی کیا سکتا ہوں۔" لینوور نے بظاہر سپاٹ لہجے میں کہا لیکن اس کی آنکھوں میں نمی کی ہلکی سی تہ مَیں نے محسوس کر لی تھی۔

"میں نے ایک بند لفافہ اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا! "میں اولاد کے خواہش مند ایک خوشحال جوڑے کو جانتا ہوں جو تمہارے بچوں کو گود لینے کے لئے رضامند ہے۔ وہ دونوں میاں بیوی بہت روشن خیال اور انسان دوست ہیں اور اس نظریئے پر قطعی یقین نہیں رکھتے کہ بدی سے تعلق موروثی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اچھی تربیت اور ماحول کسی بھی شخص کو اچھا بنانے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں کسی مجرم کے بچے گود لیتے ہوئے کوئی عار نہیں کیونکہ تمام بچے اپنی فطرت میں ایک سے معصوم ہوتے ہیں۔ انہیں اعتماد ہے کہ تمہارے بچوں کو وہ نیک اور شریف انسان بنا سکتے ہیں۔ یہ رہا ان کی طرف سے رضامندی کا بیان۔" میں نے لفافے میں سے کاغذ نکال کر اسے دکھایا۔

"لیکن لینوور نے کسی ردِعمل کا اظہار نہ کیا۔ میں نے وہ لفافہ اس کے بستر کے نزدیک پڑی چھوٹی سی میز پر رکھ دیا اور دوبارہ قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا! "میرا خیال ہے کہ تم اپنے بچوں کو محبت بھرے ذمے دار ہاتھوں میں محفوظ دیکھنا ضرور پسند کرو گے۔ اگر تم ایسا پسند کرو تو تمہیں میری بھی ایک بات ماننی پڑے گی۔ میں نے تمہیں اپنی آفر دے دی ہے"۔

لینوور نے میری طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔ میں نے کہا!

"ہاں! یوں سمجھ لو کہ اس کام میں میری بھی کچھ غرض شامل ہے۔ اگر تم اپنے بچوں کے لئے شفیق والدین چاہتے ہو تو تمہیں میرا بھی ایک کام کرنا پڑے گا....... تمہیں بھی نہیں بلکہ وہ مجھے ہی کرنا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس میں بھی تمہارا ہی فائدہ ہے۔" میں نے اپنی بات ختم کی۔

"چند ثانیئے لینوور نے کچھ سوچا اور پھر بولا۔" مجھے کیا کرنا ہو گا؟ کیا چاہتے ہو تم؟"۔

"تم میری ریسرچ میں میری مدد کر سکتے ہو۔ میں آج کل انسان کے اعصابی نظام کا مطالعہ اور مشاہدہ کر رہا ہوں۔ یہ میری اس تحقیق کا حصہ ہے جو میں اپنی یونیورسٹی کی طرف سے مکمل کر رہا ہوں۔ یہ ایک بہت بڑا تخلیقی منصوبہ ہے جسے

یونیورسٹی کے ذریعے فرنچ میڈیکل کونسل نے شروع کیا ہے۔" مَیں نے اپنا مدعا بیان کر دیا۔

○○○

ڈاکٹر فیگری نے جونہی فقرہ مکمل کیا' سپینگلر نے مسکرا کر سر ہلایا' گویا ان کے کام کی بات اب شروع ہوئی تھی۔ اس نے فیگری سے کہا:"ایک منٹ ڈاکٹر! آپ کے اس تحقیقی منصوبے کے بارے میں کچھ جاننا چاہوں گا۔ میرا خیال ہے کہ یہ معلومات کسی فیصلے پر پہنچنے میں بہت معاون ثابت ہوں گی"۔

ڈاکٹر کو سپینگلر کی دلچسپی پر کچھ حیرت سی ہوئی لیکن اس کا اظہار کئے بغیر اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے آپ کہتے ہیں تو ہم پہلے اس پر بات کر لیتے ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ جیسا کہ مَیں نے آپ کو بتایا یہ پراجیکٹ میڈیکل کونسل کی طرف سے یونیورسٹی کو دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں میرے حصے میں جو موضوع آیا ہے وہ ہے' اعصابی موت' کیونکہ یہ میرا خصوصی مضمون ہے اور مَیں گذشتہ کئی سالوں سے اس پر کام کر رہا ہوں"۔

"ہاں! مَیں سمجھ رہا ہوں لیکن یہ جاننا چاہوں گا کہ اصل میں اس تحقیق کا مقصد اور نوعیت کیا ہے؟" سپینگلر نے وضاحت چاہی۔

"جی ہاں مَیں بتاتا ہوں"۔ فیگری نے کہا اور پھر چند لمحے ٹھہر کر گویا ہوا۔

"ہم دراصل زندگی اور موت کے درمیانی عرصے کا ایک ٹھیک تعین کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ایک ایسا اصولی ضابطہ یا فارمولا وضع کرنا چاہتے ہیں' جس کے تحت کسی بھی شخص کو مردہ قرار دینے سے پہلے ہر ڈاکٹر پر لازم ہو گا کہ وہ اس پر سب مجوزہ ٹیسٹ آزما لے' تب موت کا سرٹیفکیٹ جاری کرے۔ ہمارا خیال ہے کہ مردہ قرار دی جانے والی بہت سی نعشوں میں بظاہر زندگی کی توانائی ختم ہوتی ہے مگر دراصل ان میں زندگی کی رمق باقی ہوتی ہے۔ کیونکہ مرنے والے افراد کی شیو اور ناخن بدستور بڑھتے ہوئے نوٹ کئے گئے ہیں۔ ہم یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حقیقی موت کی طرف

بڑھتی ہوئی، اس نیم مردہ حالت اور سکتے میں کیا فرق ہے"۔

سپینگلر اور ڈارلیس پوری توجہ سے ڈاکٹر فیگری کی باتیں سن رہے اور مسلسل سر ہلا رہے تھے۔ سپینگلر نے اپنی رائے دی۔ "میرا خیال ہے، ڈاکٹر آپ اپنی اس تحقیق سے انسانی اعضاء کی پیوند کاری میں مدد لینا چاہتے ہیں"۔

"جی ہاں! اگرچہ یہ تحقیق اس سلسلے میں بھی معاون ثابت ہو گی لیکن ہمارا حقیقی مقصد یہ نہیں ـــــ ہمارا مقصد دراصل یہ ہے کہ ہم انسانوں کو موت سے پہلے دفن ہونے سے بچا سکیں۔" ڈاکٹر فیگری نے وضاحت کی۔

"موت سے پہلے دفن ہونے سے؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"ہاں ایسا ہوتا ہے، مسٹر سپینگلر اکثر ایسا ہوا کہ کسی شخص کو سرکاری طور پر ڈاکٹروں نے مردہ قرار دے دیا لیکن وہ اچانک جی اٹھا۔ کچھ سال پہلے پیرس میں کی جانے والی ایک تحقیق سے یہ حقائق سامنے آئے ہیں کہ لوگوں نے جب نئی قبریں بنانے کے لئے قبرستانوں کی پرانی زمینوں کو کھودا تو جو بوسیدہ اور کرم خوردہ تابوت برآمد ہوئے ان سے نکلنے والے ہر پانچ سو انسانی ڈھانچوں میں سے ایک اس حالت میں پایا گیا کہ اس کے گھٹنے سینے سے لگے ہوئے تھے، جیسے وہ تابوت کا ڈھکنا اوپر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے مر گیا ہو، لہٰذا کم از کم پانچ سو میں سے ایک فرد ایسا بدنصیب ضرور تھا جسے موت سے پہلے قبر کے حوالے کر دیا گیا تھا ـــــ

"برطانیہ میں بھی ایسے ہی ایک سروے کے نتائج سے ظاہر ہوا کہ انگلستان اور ویلز میں ہر سال تقریباً دو ہزار سات سو افراد زندہ دفن کر دیئے جاتے ہیں۔ ادھر میونخ میں نئے مُردوں کو بالکل سیدھی لائنوں میں دفنایا جاتا ہے، اور اسی ترتیب سے ایک رسی کے ذریعے ان کا رابطہ قبرستان کے محافظوں کے کمروں سے قائم کیا جاتا ہے۔ ان رسیوں کے سروں پر گھنٹیاں بندھی ہوتی ہیں جو مُردے کی معمولی سی جنبش سے بج سکتی ہیں اور ایسا کئی بار ہُوا ہے کہ کوئی نہ کوئی گھنٹی بج اُٹھی اور محافظوں کی نیند خراب ہوئی۔ اس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کبھی نہ کبھی دھوکا ضرور کھا جاتا ہے اور زندہ شخص کو مردہ قرار دے کر دفنا دیا جاتا ہے"۔

ڈاکٹر فیگری اپنے شعبے سے متعلق بات کرتے ہوئے یہ بالکل بھول گیا کہ وہ ایک انکوائری کمیٹی کے سامنے ہے۔ اب وہ بالکل نارمل انداز میں' برابری کی سطح پر' سپینگلر اور ڈارلیس سے گفتگو کر رہا تھا۔ یہ ایسا موضوع تھا جو اس کا اپنا تھا اور جس پر وہ گھنٹوں بول سکتا تھا۔ سپینگلر اور ڈارلیس ہمہ تن گوش تھے۔ فیگری نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے کئی بار اخباروں میں پڑھا اور سنا ہو گا کہ بعض مشہور شخصیتیں تدفین سے کچھ دیر پہلے جی اٹھیں۔ شہرت یافتہ شاعر فرانس ٹیراچ اس وقت کفن میں اُٹھ کر بیٹھ گیا جب اسے تابوت میں ڈالا جانے لگا تھا۔ یونانی قدامت پسند بشپ اس وقت جی اُٹھا جب لوگ اس کا آخری دیدار کر رہے تھے۔ اور تو اور ایک مردہ شخص اس وقت درد سے چیختا چلاتا اُٹھ کھڑا ہُوا' جب اس کی نعش کا پوسٹ مارٹم کرنے کے لئے چیر پھاڑ کی جانے لگی۔ اس کیس نے تمام ڈاکٹروں کو حیرت میں ڈال دیا۔ لیکن چرچ کے کرتا دھرتا مقدس حکام نے اس کو بدروح قرار دے کر دوبارہ موت کے گھاٹ اتار دیا' لیکن اتفاق دیکھئے خود اس پادری کو بھی کچھ عرصہ بعد ڈاکٹروں نے مردہ قرار دے دیا اور ٹھیک اسی طرح عملِ جراحی کے دوران میں وہ ہوش میں آ کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"پوسٹ مارٹم کے وقت عملِ جراحی کی تکلیف سے بہت سے اور مردے بھی اسی طرح جی اُٹھے بلکہ باقاعدہ ریکارڈ کے مطابق جارجین اور وکٹورین عہد میں تقریباً بارہ واقعات ایسے ہوئے کہ لوگوں کو مردہ قرار دے کر دفنا دیا گیا۔ لیکن جرائم پیشہ افراد نے ان کی نعشیں نکال کر میڈیکل سٹوڈنٹس کے ہاتھوں بیچ دیں اور عین ڈائسیکشن ٹیبل پر وہ افراد درد سے بلبلاتے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"قبروں سے شور اور مختلف آوازیں سننے کی کہانیاں تو بہت سی آپ لوگوں نے سُنی ہوں گی۔ مگر بدقسمتی کا شکار ایسا شخص شاید و باید ہی قبر سے نکلنے میں کامیاب ہوتا ہے اور اکثر دم گھٹ کر بے موت مر جاتا ہے۔ کسی قانونی ضرورت کے تحت مقفل تابوت دوبارہ کھول کر دیکھنے پر قرائن سے معلوم ہُوا کہ تابوت کھولنے کی کوشش میں ناکامی پر مرنے والے نے اپنا کفن پھاڑ ڈالا' منہ نوچ لیا یا خود کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کر

بن آئی موت کا ناکام مقابلہ کرتا رہا لیکن افسوس اس کی رہائی نہ ہو سکی۔ وہ کس بے بسی کی موت مرا' اس کا اندازہ آزاد فضا میں سانس لینے والا ہر شخص کر سکتا ہے۔ یہاں تک ہوا کہ ایک امریکن لڑکی نے تابوت میں بچے کو جنم دیا لیکن موت دونوں کا مقدر بن چکی تھی۔ بعد میں کسی قانونی ضرورت کے تحت جب تابوت کھولا گیا تو لڑکی کی دونوں مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور تخلیق کا کرب اس کے چہرے پر ابدی نقوش چھوڑ گیا تھا اور نومولود کفن کے اندر ہی اپنی ہی زندگی کی پہلی اور آخری سانسیں پوری کر چکا تھا۔"

مسٹر سپینگلر نے اس کربناک منظر کشی پر بے چین ہو کر پہلو بدلا اور گلا صاف کرنے کے بہانے شاید ڈاکٹر فیگری کو ٹوکنا چاہا۔

"اوہو! معاف کیجئے مسٹر سپینگلر! میں اپنے موضوع کے بارے میں بہت جذباتی ہو گیا تھا اور یہ بھول گیا کہ میں انکوائری کمیٹی کے سامنے ہوں"۔

سپینگلر نے رومال سے چہرے پر آیا پسینہ پونچھتے ہوئے بظاہر بے پروائی سے کہا۔ 'زندگی کی بہت سی ناگوار حقیقتوں کا سامنا کرنا ہی چاہیے' ڈاکٹر!" لیکن دل ہی دل میں اُس نے اس موضوع کے خاتمے پر خدا کا شکر کیا۔

"ہاں تو مَیں آپ دونوں حضرات کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ بیچارہ ڈاکٹر اس معاملے میں بعض اوقات بالکل بے بس ہو جاتا ہے کہ طبی اصول و ضوابط کے مطابق ایک انسان بالکل مردہ ہو چکا ہوتا ہے لیکن کون جانے وہ ابھی زندہ ہو اور زندگی اور موت کا درمیانی فاصلہ ابھی طے نہ کر پایا ہو۔ یہی وہ نقطۂ نظر تھا جس پر قائل کر کے مَیں نے جیل کے گورنر سے سزائے موت کے قیدی لینوور سے ملاقات کی اجازت طلب کی' تاکہ ہم جان سکیں کہ روح کے جسم چھوڑنے کے بعد کتنی دیر تک اعصاب زندہ رہتے ہیں۔ جب کہ یہ سزا گلوٹین سے دی جا رہی ہو جس میں شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر فیگری! ہم نے اس کام کے انسانی اور اہم پہلو کو نوٹ کر لیا ہے۔ براہِ مہربانی آپ واپس لینوور سے اپنی ملاقات کے قصے کی طرف آیئے"۔ ڈارلیس

کے لہجے میں پہلے کی سی سختی لوٹ آئی تھی۔

"یس سر! مَیں واپس لینوور سے ملاقات کی طرف آتا ہوں۔ قصہ مختصر یہ کہ مَیں لینوور کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے اور اسے قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آدمی ذہین تھا' فوراً سمجھ گیا کہ مَیں اس کے بچوں کے تحفظ بدلے میں کیا چاہتا ہوں"۔

"مَیں سمجھ گیا ہوں۔" لینوور نے کہا۔ "تم اس وقت میری موت کا نظارہ کرنا چاہتے ہو جب کل یہ لوگ گلوٹین کے ذریعے میرا سر تن سے جدا کریں گے"۔

"ہاں.........."

"تو گویا مجھے تم سر کٹی مرغی کی طرح تڑپتے دیکھنا چاہتے ہو۔ ٹھیک ہے نا؟"

"مجھے غصہ آ گیا" معاف کرنا لینوور تم مجھے غلط........'

"اس نے میری بات کاٹ کر طنزیہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا! 'جب میں بچہ تھا' میرے لئے یہ کھیل بہت دلچسپ ہوتا تھا۔ مَیں اکثر کسی مرغی یا چوزے کی گردن کاٹ کر اسے چھوڑ دیتا اور بہتے ہوئے خون کے ساتھ بغیر گردن کی مرغی اُچھل اُچھل کر موت کا رقص کرتی تو مجھے بہت مزہ آتا تھا اور مَیں قہقہے لگا لگا کر ہنستا۔ چند منٹ کا یہ خونیں کھیل مجھے بہت اچھا لگتا۔ پھر مرغی ٹھنڈی ہو کر گر جاتی اور مَیں اسے ٹھوکر مار کر ایک طرف لڑھکا دیتا۔'

"مجھے اس کی اس بات پر غصہ تو بہت آیا لیکن مَیں نے اپنے طیش پر قابو پاتے ہوئے تحمل سے کہا! 'یہ آپ کے بچپن کا مذاق ہو سکتا ہے! مسٹر لینوور! میرے لئے یہ مذاق نہیں۔ مَیں قطعی سنجیدہ ہوں اور میرا کام انسانی بھلائی کے لئے ہے' محض تفنّنِ طبع کے لئے نہیں اور نہ میرا یہ مقصد ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں اور اگر اس میں میرا کوئی مقصد ہے بھی تو آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ مَیں بدلے میں آپ کو کتنا بڑا معاوضہ فراہم کر رہا ہوں....... آپ کے بچوں کا تحفظ'۔

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے! زیادہ ناراض ہونے کی ضرورت نہیں' اپنی بات آگے بڑھاؤ مَیں سن رہا ہوں" لینوور نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے۔

"شکریہ" مَیں نے آہستگی سے کہا اور اسے سمجھانے لگا۔ "تقریباً تین برس

پہلے بھی ایک ڈاکٹر شپائرو نے ٹھیک یہی کچھ کیا تھا جو مَیں کر رہا ہوں۔ اس نے بھی تمہارے جیسے ایک قیدی سے بالکل ایسا ہی معاہدہ کیا تھا جیسا مَیں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ ہمیں ایسا کرنا پڑتا ہے' اس میں انسانیت کی بھلائی ہے۔ ڈاکٹر شپائرو یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ گلوٹین سے انسان کا سر تن سے جدا ہونے کے بعد بھی کم ازکم سر ضرور ہوش و حواس میں اور زندہ ہوتا ہے۔ مَیں اپنے اس پیشرو ڈاکٹر کا تجربہ دہرانا چاہتا ہوں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نوٹ کروں گا کہ گلوٹین سے سزائے موت پانے کے بعد انسانی جسم میں کتنی دیر تک زندگی کی مخصوص برقی لہریں موجود رہتی ہیں۔ اس کے لئے مَیں کچھ برقی آلات استعمال کروں گا"۔

"ایک لمبی سی 'ہونہہ' کر کے لینوور کتنی ہی دیر تک مجھے بغور دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔' ڈاکٹر کیا تمہارا خیال ہے کہ گلوٹین سے سر جدا کرنے کے بعد فوری طور پر موت واقع نہیں ہوتی؟'

"یقیناً نہیں۔ یہ تاثر غلط ہے کہ گردن کٹ جانے سے موت فوری طور پر واقع ہو جاتی ہے کیونکہ آخر کاسۂ سر میں کچھ دیر تک اتنا خون موجود رہتا ہے کہ وہ حِسّی اعصاب کو متحرک اور زندہ رکھ سکے اور حقیقت ہے کہ جب تک سر میں زندگی موجود ہوتی ہے حواسِ خمسہ زندہ رہتے ہیں'۔

"کیا واقعی؟' لینوور نے حیرت سے پوچھا۔' لیکن یہ سب پوچھنے کا کیا فائدہ؟' ٹھنڈی آہ بھر کر وہ خاموش ہو گیا۔

"مَیں نے اس کی طرف جھک کر تسلی دینے کی کوشش کی' دیکھو لینوور! مَیں کوشش کروں گا کہ تمہیں یہ لمبی اذیت برداشت نہ کرنی پڑے'۔

"مَیں جس ڈاکٹر کا ذکر کر رہا ہوں اس نے ثابت کیا کہ کٹنے کے بعد بھی کچھ دیر تک کھوپڑی زندہ ہی نہیں رہتی بلکہ وہ آپ کی بات سنتی اور سمجھتی بھی ہے۔ ڈاکٹر شپائرو کے قیدی کی کھوپڑی نے کٹ جانے کے پانچ منٹ بعد اس کی بات کا جواب خاص انداز سے آنکھیں جھپکا کر دیا تھا۔ انقلابِ فرانس کے دوران لکھی گئی رپورٹوں کے مطابق جلادوں کو سزائے موت کے پندرہ بیس منٹ بعد بھی کئی سر زندہ ملے۔ کئی کئی

قیدیوں کو سزائے موت دینے کے بعد جب گلوٹین کا ٹوکرا کٹے سروں سے بھر جاتا اور وہ اگلے قیدیوں کو لانے کے لئے اسے خالی کرنے آتے تو انہیں بیک وقت کئی سر خون میں لتھڑے، حرکت کرتے، آپس میں الجھتے بڑبڑاتے اور دانت پیستے ملتے'۔

''لینوور کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئی اور وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے نتھنے پھڑکنے لگے اور وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے بڑبڑایا ۔

''اذیت پسند جانور! ذلیل....... میں...... میں تمہارا سر پھوڑ دوں گا'۔

''میں نے اپنی چھڑی پر اپنی گرفت مضبوط کرلی اور اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ دیکھو لینوور! میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ میں تمہاری یہ اذیت کم کر دوں گا' موت کا وقفہ مختصر کردوں گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ سب کچھ تمہارے ساتھ نہیں ہو گا......... میں جو کچھ کہوں تم وہ کرو اور اگر اپنی زندگی کا کوئی ثبوت دے دو تو اس کے بعد میں فوراً ایک باریک سلاخ کھوپڑی میں اتار کر تمہاری مشکل آسان کردوں گا۔ میں تمہیں پینتالیس سیکنڈ سے زیادہ تکلیف میں نہیں رہنے دوں گا......اس طرح تمہارے بچے ہر تکلیف سے آزاد ہو جائیں گے'۔

''اس اثنا میں غصے میں بھرا ہُوا لینوور بجلی کی سی تیزی سے لپکا اور میز کے نیچے جانے کس جگہ چھپائی ہوئی لوہے کی ایک باریک سلاخ نکال کر لایا اور بھوکے بھیڑیے کی طرح میری طرف بڑھا۔ اُف میرے خدا! اگر میں گر نہ جاتا تو وہ میری کھوپڑی میں سلاخ بھونک چکا ہوتا۔ اس کا وار خالی گیا لیکن وہ پھر پلٹا۔ اس کے منہ سے کف بہہ رہا تھا اور وہ شعلہ بار نظریں مجھ پر گاڑے کہہ رہا تھا۔ ذرا ٹھہرو شیطان ڈاکٹر! میں یہ سلاخ تمہاری کھوپڑی میں اتار کر دیکھتا ہوں کہ تم کتنی دیر میں مرتے ہو۔'

''میری سٹی گم ہو گئی اور میں چاہنے کے باوجود چیخ بھی نہ سکا۔ لینوور نے آگے بڑھ کر میرے سینے پر پاؤں رکھا اور میری آنکھوں کے درمیان ماتھے کا نشانہ باندھ کر سلاخ میرے قریب لانے لگا۔ اچانک میں نے دفاع میں اپنی چھڑی ہوا میں لہرائی جسے اس نے اس زور سے لات ماری کہ وہ دروازے سے ٹکراتی ہوئی فرش پر گر گئی۔ اس وقت محافظ کو بلانے کا خیال کوندے کی طرح میرے ذہن میں لپکا اور میں زور زور سے

مدد کے لئے چلانے لگا۔

"لینوور کی توجہ چند ثانیوں کے لئے دروازے کی طرف ہوئی۔ یہ وقفہ محافظوں کے پہنچ جانے کے لئے کافی تھا۔ آن کی آن میں مسلح محافظوں نے اسے قابو میں کر لیا اور میں نے فرش سے اٹھتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا۔ لیکن دروازے سے نکلتے نکلتے میں نے اپنی پیش کش ایک بار پھر دہرا دی اور بلند آواز سے کہا۔ 'لینوور! اچھی طرح سوچ لو' سودا مہنگا نہیں۔ ایک چھوٹے سے تجربے کے بدلے تمہارے بچوں کا مستقبل خوشحال ہو سکتا ہے۔'

"یہ کہہ کر میں ایک محافظ کے ہمراہ باہر نکل آیا۔ ابھی چند قدم ہی چلا ہوں گا کہ لینوور کی آواز نے میرے قدم روک لئے۔ بند دروازے کے پیچھے سے اس کی پھٹی ہوئی بلند آواز آ رہی تھی ـــــ 'ڈاکٹر مجھے تمہارا سودا منظور ہے..... منظور ہے ..... منظور ہے....... میں تمہیں زندگی کا ثبوت دوں گا' ـــــــ آہستہ آہستہ اس کی آواز ہچکیوں میں ڈوب گئی اور یوں مجھے اگلے دن اس کی سزائے موت کے وقت مشاہدے اور تجربے کی اجازت مل گئی"۔

"تو کیا اس نے آپ کو وہ ثبوت دے دیا؟" ڈارلیس نے بے صبری کے ساتھ ڈاکٹر فیگری سے پوچھا۔

"ہاں" ـــــ ڈاکٹر نے مختصر سا جواب دے کر ان کے تجسس کو ہوا دی۔

ڈارلیس اور سپینگلر نے عجیب سی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا' پھر سپینگلر نے کہا۔

"ڈاکٹر! آپ تفصیل سے بتایئے' اس کے بعد کیا ہوا؟"

ڈاکٹر فیگری نے پھر کہنا شروع کیا۔ "اگلے روز مقرر وقت پر جب میں لینوور کے پاس پہنچا تو اسے محافظ سزائے موت کے ہال کی طرف لا رہے تھے۔ اردگرد کی بیرکوں اور کوٹھڑیوں میں سے آہ و بکا کی آوازیں آ رہی تھیں اور اس کے ساتھی اسے الوداع کہہ رہے تھے۔ لینوور کو دو محافظوں نے دائیں بائیں سے پکڑ رکھا تھا اور وہ بے جان زرد چہرے کے ساتھ گرتے پڑتے آگے بڑھ رہا تھا ــــ

''گلوٹین ہال میں پہنچنے کے بعد ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کا سر اڑا دیا گیا۔ کیونکہ تمام انتظامات پہلے سے مکمل تھے۔ صرف گلوٹین کا بٹن دبانا باقی تھا۔ جونہی کٹک کی آواز سے لینوور کا سر گلوٹین کی ٹوکری میں گرا' میں دوڑ کر وہاں پہنچ گیا''۔

''پھر کیا ہوا؟'' سپینگلر نے بے تابی سے سانس روک کر پوچھا۔

''اس نے اپنا وعدہ پورا کیا''۔ فیگری نے آہستگی سے جواب دیا۔۔۔ ''اور مجھے مطلوبہ ثبوت دیے دیا''۔

''کیا ثبوت؟'' ۔۔۔۔۔ ڈارلیس نے' جس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا تھا تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

''یہ رہا ثبوت۔'' ڈاکٹر فیگری نے اپنا بایاں ہاتھ دکھایا۔

''یہ تو زخمی ہے۔ شاید کٹ گیا''۔ سپینگلر نے جلدی سے کہا۔

''نہیں غور سے دیکھئے......'' فیگری نے اپنا ہاتھ دونوں کے آگے بڑھا دیا۔ سپینگلر اور ڈارلیس نے پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ہاتھ پر انسانی دانتوں کے نشان نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔

نادِیدہ آدم خور

مسز کارٹر اور مسز ولسن آ کر آرام کرسیوں پر بیٹھی ہی تھیں کہ سائمن اندر داخل ہوا۔ مسز ولسن کو خوش اخلاقی سے سلام کیا اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔ چھڑی اب بھی ہاتھ میں تھی۔ اس کا تکونہ زرد چہرہ بڑا پُراسرار لگ رہا تھا۔ "ہیلو پُراسرار بچے!" مسز ولسن نے ہنس کر چھیڑا تو وہ چڑ گیا۔

"نہیں ایسا مت کہیں مجھے۔" اس کے لہجے میں بہت غصہ تھا۔ اس سے پہلے کہ مسز ولسن کچھ بولتی' دروازہ کھلا اور کارٹر اپنے ہاتھ ملتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ وہ ڈینٹل سرجن تھا لہٰذا بار بار ہاتھ دھوتے رہنے کی عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت وہ ہاتھوں کو دھونے کے انداز میں ملتا رہتا۔ اس پر نظر پڑتے ہی مسز کارٹر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ آج تم بہت جلد گھر آ گئے؟"

"ہاں جلد تو ضرور آ گیا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ بے موقع نہیں آیا۔" اس نے چائے کے برتن لگتے دیکھ کر کہا۔ "ہاں تو کیا راز داریاں ہو رہی تھیں سہیلیوں میں؟ کہیں مَیں مخل تو نہیں ہوا تمہارے درمیان؟ دراصل دو مریضوں کی ملاقات ملتوی ہو گئی اس لئے مَیں جلد فارغ ہو گیا۔"

"ہٹاؤ بھی کیا حماقت ہے؟ ایسی کونسی راز داری ہو سکتی ہے؟ اچھا ہے تم

ہمارے ساتھ چائے میں شریک ہو گئے۔" مسز کارٹر بڑی ادا سے مسکرا کر بولی۔

"لیکن بھئی ننھے سائمن کے بارے میں ہمیں شک ضرور ہے کہ ہمارا آنا اسے کچھ پسند نہیں آیا۔ کیوں چھوٹے سائمن کیا خیال ہے تمہارا؟" کارٹر نے ہنس کر سائمن کو چھیڑا۔

"ڈیڈی"۔

"ہاں' ہاں بولو"۔

"مجھے چھوٹا سائمن نہیں بڑا سائمن کہا کریں۔" بچے نے بُرا مانتے ہوئے کہا۔

"اوہو یہ بات ہے تو اچھا بھئی بڑے سائمن اور چھوٹے سائمن اب ہم تمہیں بڑا سائمن کہیں گے۔ ویسے بیٹا اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ تو ہم تمہیں پیار سے کہتے ہیں۔ جیسے بچے اپنے ڈیڈی کو سر اور مسٹر کہہ کر بلاتے ہیں۔ اس سے تو دوستی بڑھتی ہے اور آپس میں بے تکلفی پیدا ہوتی ہے۔" کارٹر نے پھر اپنے ہاتھ کسی خیالی صابن سے دھوتے ہوئے جواب دیا۔ چھ سالہ سائمن کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا' نجانے شرمندگی یا غصے سے۔

"ہاں ہاں اس میں کیا حرج ہے؟ تم بھی جیسے چاہو اپنے ڈیڈی کو مخاطب کر سکتے ہو۔" مسز ولسن نے سائمن کا موڈ درست کرنا چاہا۔

"اچھا چلو جانے دو اب بتاؤ کہ ہمارا ننھا سائمن آج دوپہر کیا کرتا رہا' جب کہ بڑا سائمن کام کر رہا تھا"۔ کارٹر نے اپنی ہی طرف سے اشارہ کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔" سائمن بڑبڑایا۔

"تب تو تم بور ہو گئے ہو گے۔ اچھا کل سے تم کوئی نیا اور مزیدار کام کرنا جس سے تم بور نہ ہو اور تمہیں کوئی نئی بات معلوم ہو۔ مسز ولسن میں اسے ذاتی تجربات کے حوالے سے زندگی کی پہچان کرانا چاہتا ہوں' یہ میرا خیال ہے نیا اور ماڈرن خیال آپ خود سیکھیں۔" کارٹر نے داد طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں بہت کچھ سیکھ لیا ہے مَیں نے۔" سائمن نے کسی اکتائے ہوئے بوڑھے کی طرح جواب دیا جیسا کہ اکثر بچے کرتے ہیں۔

"کیا سیکھا؟ میرا خیال ہے کچھ بھی نہیں۔جب تم سارا دن بے کار بیٹھے رہو گے تو کیا سیکھو گے؟"

"وہ سارا دن تو کھیلتا رہتا ہے۔" مسز کارٹر نے شکایت کی۔

"کہاں سارا دن مَیں تو بس تھوڑا سا کھیلتا ہوں۔" بچے نے پہلو بدل کر احتجاج کیا۔

"نہیں تم جھوٹ بول رہے ہو' کارٹر آج کل اتنا کھیلتا ہے کہ گھر لوٹنے پر اس قدر تھکا ماندہ اور حیران پریشان ہوتا ہے کہ مَیں اس کی شکل دیکھ کر ڈر جاتی ہوں۔" مسز کارٹر نے پیالیاں رکھتے ہوئے پھر شکایت کی۔

"نہیں بھئی' سائمن تو اچھا بچہ ہے' بہت سمجھ دار۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ آخر ایسا کونسا کھیل ہے جو تمہیں اس قدر تھکا دیتا ہے کہ تمہاری ممی شکایت کر رہی ہیں۔ بیٹا بہت سے ایسے کھیل بھی ہیں جو کھیلنے سے تھکن نہیں ہوتی بلکہ انسان اپنے آپ کو تازہ دم اور خوش و خرم محسوس کرتا ہے۔" کارٹر نے بچے کا موڈ بگڑتے دیکھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"مَیں ایسا کوئی کھیل نہیں کھیلتا۔ ممی تو بس ایسے ہی بولے جاتی ہیں۔" سائمن پھر بیزار ہو کر بولا۔

"اچھا اچھا چلو آؤ دوستی کر لو۔ غصہ تھوک دو۔ تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو مجھ سے بے دھڑک کہا کرو۔ مَیں بھی ایک دن تمہاری طرح چھوٹا سا سائمن تھا اور ایسے ہی کھیلتا تھا جیسے تم۔ لیکن ان دنوں چابی اور بیٹری سے چلنے والے کھلونے نہیں ہوتے تھے' جن سے تم کھیل سکتے ہو۔ لیکن تم ان سے تو نہیں کھیلتے؟ اور کیا کھیلتے ہو بیٹا؟ ہمیں ایک دوسرے کے سوالات کے جواب خوش اخلاقی سے دینا چاہئے۔ یوں بات بات پہ چڑنا اور لڑنا نہیں چاہئے۔ اچھا شاباش اب بتاؤ کہ باغ میں تم تنہا کیا کھیلتے رہتے ہو؟"

"مسٹر بلزی"۔ بچے کے منہ سے بے اختیار نکلا۔'

"کون مسٹر بلزی؟" کارٹر نے بھویں چڑھا کر بیوی کی طرف دیکھا۔

"ہو گا کوئی نیا کھیل سائمن کا من گھڑت۔" مسز کارٹر بے دھیانی سے کہہ

گئیں۔

"نہیں، من گھڑت احمق!" سائمن گلا پھاڑ کر چلایا۔

"دیکھا کتنا بدتمیز اور گستاخ ہو گیا ہے؟ ایک تو اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے اوپر سے بدتمیزی سے پیش آتا ہے۔ چلو کوئی اور بات کرو اسے منہ نہ لگاؤ۔" مسز کارٹر نے سائمن کو گھور کر کہا۔

"اس کا گستاخ ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں۔ بچوں کو دوسروں کے سامنے جھوٹا کہہ کر اس کی بات رد کر دو گی کہ وہ من گھڑت قصے سنا رہا ہے تو کیا وہ ہتک محسوس نہیں کرے گا؟ جب بچے کی عزتِ نفس مجروح ہو گی تو انتقاماً وہ گستاخ ضرور ہو گا اور تم کیا توقع کر سکتی ہو۔" کارٹر کے انداز میں تنبیہہ تھی۔

"اس گھر کے تینوں افراد کتنی مختلف طبیعتوں کے مالک ہیں۔" مسز ولسن نے یہ سب دیکھ کر سوچا۔

"لو بھئی سائمن! اب ہم نے تمہاری ممی کو ڈانٹ کر خاموش کرا دیا ہے۔" کارٹر نے بچے کو پُرسکون کرنے کے لئے خوشامدانہ لہجہ اختیار کیا۔ "لیکن بیٹے بات ہے کچھ کچھ، ٹھیک تمہاری عمر ایسی ہی ہے جب بچے تصور میں گم رہتے ہیں اور کئی باتیں اپنے پاس سے بنا لیتے ہیں۔"

"میں نے کوئی بات نہیں بنائی۔" سائمن بڑبڑایا۔

"نہیں بیٹا کوئی تو بات ہے کیونکہ تم تنہا رہتے ہو اس لئے تمہارے ذہن میں طرح طرح کے خیال آتے ہوں گے، اور جو خیال بار بار آتا ہے وہ پھر کبھی کبھی سچ لگنے لگتا ہے۔ اس میں کوئی نقصان تو نہیں لیکن اصل چیزوں میں اور خیالی چیزوں میں ہمیں فرق ضرور محسوس ہونا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا تصور اتنا پختہ ہو جائے کہ تم فرضی اور اصلی چیزوں میں پہچان نہ کر سکو۔ اس سے تمہارے ذہن پر بہت بُرا اثر پڑے گا اور تم چھوٹے سائمن سے بڑے سائمن کبھی نہ بن سکو گے۔"

بچہ سر جھکائے اپنے باپ کی تقریر سنتا رہا۔ نجانے کچھ سمجھا کہ نہیں۔

"اب ہم ایسا کرتے ہیں کہ تمہارے مسٹر بلزی کی باتیں کرتے ہیں۔" کارٹر

نے بچے کی برین واشنگ کے خیال سے تجویز پیش کی۔
"یہ مسٹر بلزی کس طرح کے ہیں؟" کارٹر نے پہلا سوال کیا۔
"وہ کسی طرح کے بھی نہیں۔" لڑکے کا جواب تھا۔
"دنیا کی کسی بھی چیز کی طرح نہیں؟ ارے بھئی یہ تو پھر بڑی خطرناک چیز ہے۔" کارٹر نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔ "کیا تمہیں ان سے ڈر نہیں لگتا؟"
"نہیں بالکل نہیں۔ ذرا بھی نہیں۔" بچہ اب اس موضوع پر کھلنے لگا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔
"ہاں ہاں میں جانتا ہوں کہ تم کسی بھی چیز سے نہیں ڈرتے۔ تم بہت بہادر بچے ہو۔ میں تو اکثر لوگوں سے کہتا ہوں کہ لوگ خود ہی اپنے آپ کو مختلف چیزوں سے ڈرا لیتے ہیں ورنہ اس دنیا میں تو ڈرنے کی کوئی چیز نہیں۔"
"کیا یہ مسٹر بلزی کوئی جن ہیں' جادو گر یا کوئی مسخرہ؟" کارٹر نے پھر ہنس کر سوال کیا۔
"ہاں کبھی کبھار بن بھی جاتے ہیں۔" بچے نے یاد کر کے جواب دیا۔
"کبھی کچھ اور کبھی کچھ' اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمیں سمجھا ہی نہیں سکتے کہ وہ کیا چیز اور کس جیسا ہے، یہ تمہارا مسٹر بلزی۔ اس کی آواز کیسی ہے؟"
"پتہ نہیں' وہ کیا ہے' لیکن جو بھی ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے۔"
"بھئی محبت تو سچ مچ کی چیزوں سے کرنے کی چیز ہے' مثلاً چھوٹا سائمن اور بڑا سائمن۔" کارٹر نے پہلے اس کی اور پھر اپنی جانب اشارہ کیا۔
"وہ بھی ایک سچ مچ کی اصل چیز ہیں، بالکل حقیقی کوئی مذاق نہیں۔" بچہ پھر جذباتی ہو گیا۔
"سنو! جب تم نیچے باغ میں جاتے ہو وہاں اور تو کوئی نہیں ہوتا' کہ ہوتا ہے؟"
"نہیں تو۔"

"بس پھر تم سمجھ لو کہ یہ مسٹر بلزی صرف تمہارا وہم ہے۔ تم اس کے بارے میں سوچتے رہتے ہو اور وہ سامنے آجاتا ہے۔"

"نہیں سوچنے سے نہیں آتا۔ بلکہ مجھے اپنی چھڑی سے "کچھ" کرنا ہوتا ہے۔"

اس کچھ کو راز میں رکھتے ہوئے سائمن نے پیار سے اپنی چھڑی کو سیلایا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" کارٹر نے سنجیدگی سے کہا۔

"ایسا ہوتا ہے۔" سائمن نے ضد کی۔

اب شاید کارٹر کو غصہ آنے لگا تھا۔ "دیکھو! سائمن ضدی مت بنو۔ میں عمر میں بھی تم سے بڑا ہوں اور عقل میں بھی' کیونکہ میں اس دنیا میں تم سے بہت پہلے آ گیا تھا۔ اس لئے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ لہٰذا میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ مسٹر بلزی صرف تمہارا تصور ہے اسے حقیقت مت سمجھو، سمجھے؟"

"اچھا ڈیڈی۔"

"ایک کھیل ہے' فرضی کھیل' اسے فرضی رہنے دو۔"

سائمن اپنی پلیٹ پر خاموشی سے نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

"اب تمہیں چاہئے کہ سب کے سامنے کہہ دو کہ جو کچھ تم نے کہا وہ سب فرضی تھا اور صرف دل لگی کا ایک کھیل۔ پھر تمہیں کوئی جھوٹا نہ کہے گا اور تم بھی سمجھ جاؤ گے کہ تصور اور حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مسٹر بلزی صرف اور صرف ایک تصور ہے۔" کارٹر اپنی بات بار بار دہرا کر بچے کا ذہن صاف کرنا چاہ رہا تھا۔ لیکن سائمن اب بھی بالکل خاموش سرجھکائے بیٹھا رہا۔ کارٹر نے دوبارہ تقریر شروع کر دی۔

"جو چیز ابھی یہاں ہے تو ابھی وہاں۔ کبھی ایک روپ ہے تو کبھی دوسرا' تم اسے اچھی طرح دیکھ نہیں سکتے جیسے مجھے یا اپنی ممی کو۔ تم اسے چھو نہیں سکتے جیسے میں تمہیں اور تم مجھے۔" کارٹر نے اپنا ہاتھ بڑھا کر سائمن کا شانہ جھنجھوڑا۔ "تم اور میں کچھ چیز ہیں اور تمہارے مسٹر بلزی کچھ اور۔ اب بتاؤ کہ مسٹر بلزی فرضی ہیں یا میں اور تم؟"

"بڑا سائمن اور چھوٹا سائمن۔" لڑکا اس طرح ہنسا جیسے باپ کی اتنی لمبی تقریر کا

مذاق اڑا رہا ہو۔

"ایسا مت کہو"۔ اچانک مسز ولسن پوری قوت سے چلائی اور شاید فوراً اسے اپنی غلطی کا احساس ہُوا کہ وہ تو مہمان ہے اور اسے باپ بیٹے کے درمیان ہونے والی گفتگو میں اس طرح ٹوکنے کا کوئی حق نہیں۔ اس نے شرمندہ سی ہو کر اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا اور معذرت خواہانہ انداز میں مسز اور مسٹر کارٹر کی طرف دیکھا لیکن کارٹر نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ بلکہ سائمن سے سخت لہجے میں کہا۔

"یہ ٹھیک ہے سائمن' مَیں نے تمہیں کھیل کود میں پوری آزادی دے رکھی ہے کہ تم چیزوں کو خود دیکھو پرکھو اور فیصلہ کرو۔ لیکن اس وقت تم سیدھا اوپر اپنے کمرے میں جاؤ اور جو کچھ مَیں نے کہا ہے اس پر غور کرو' ضدی اور بدتمیز مت بنو۔ ورنہ یاد رکھو مَیں تمہیں سزا دینا بھی جانتا ہوں۔ مَیں ابھی تمہارے پیچھے آؤں گا اور تم سے پھر بات کروں گا۔"

کارٹر کے لہجے کی کاٹ محسوس کر کے مسز کارٹر خوف زدہ ہو گئی۔ "کیا تم اپنی بات منوانے کے لئے بچے کو مارو گے؟" اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"نہیں مسٹر بلزی انہیں کبھی ایسا نہ کرنے دیں گے۔" لڑکے نے پیچھے مڑ کر پھر بات کا تمسخر اڑایا۔

"مَیں کہتا ہوں چلے جاؤ اپنے کمرے میں ورنہ تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔" کارٹر واقعی غصے سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ جیسے وہ اس چھوٹے سے بچے سے شکست کھا رہا ہو۔

جاتے جاتے سائمن پھر رک گیا اور زینے پہ رک کر چھڑی لہرائی اور دھمکی دی۔

"مسٹر بلزی نے کہا تھا کہ اگر کسی شخص نے تمہیں کوئی بھی تکلیف دینے کی کوشش کی تو وہ اُڑ کر پہنچیں گے اور شیر بن کر اسے پھاڑ کھائیں گے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے؟ اگر تم اس طرح نہیں مانو گے تو مَیں دوسری طرح منوا لوں گا۔ یہ تم اچھی طرح سے جان جاؤ گے کہ کون اصل ہے اور کون فرضی' مَیں یا

تمہارا یہ منحوس مسٹر بلزی۔ مَیں اپنی چائے ختم کر لوں ذرا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" کارٹر کا چہرہ غصے سے دمک رہا تھا۔

دونوں عورتیں حیران پریشان بیٹھی یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ کارٹر نے جلد جلد گھونٹ بھر کر اپنی چائے ختم کی اور حسبِ معمول ہاتھ ملتا ہُوا زینے چڑھنے لگا جو سائمن کے کمرے کو جاتا تھا۔ مسز کارٹر کچھ بھی نہ بول سکی۔ مسز ولسن کی پوزیشن مہمان ہونے کی حیثیت سے بڑی عجیب تھی۔ وہ کوئی بات کرنا چاہتی تھی لیکن آواز اس کے حلق سے نکلتی ہی نہ تھی۔ خوف زدہ سی اوپر تک رہی تھی کہ دیکھو اب اوپر سے کیا سننے کو ملتا ہے۔

اچانک ایک خوف ناک آواز بیرونی دروازے سے آئی اور زینے کی طرف بڑھی جیسے ہوا کو چیرتا ہُوا کوئی قوی ہیکل پرندہ تیر کی تیزی سے گزرا ہو۔ اف خدا کی پناہ کیا بلا تھی۔ جسے وہ اچھی طرح دیکھ بھی نہ پائیں۔ پھر وہ دونوں اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔

مسز ولسن کی آنکھیں خوف سے پھٹی جا رہی تھیں۔ "جلدی چلو اوپر کیا ہونے والا ہے۔"

بمشکل اس کے حلق سے آواز نکلی۔ وہ دونوں گرتی پڑتی لڑکھڑاتی سائمن کے کمرے میں پہنچیں۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑائی سائمن کا نام و نشان تک نہ تھا۔ مسز کارٹر نے کمرے کی بیرونی کھڑکی کی طرف دیکھا اور دلخراش چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ مسز ولسن نے دیکھا کہ کھلی کھڑکی کے نیچے مسٹر کارٹر کا ایک پاؤں بوٹ سمیت اس طرح چبایا پڑا تھا جیسے شکار کر کے بھاگتے ہوئے کسی آدم خور درندے کے جبڑے سے کوئی انسانی پاؤں کٹ کر گر گیا ہو۔

وہ اِنسان کو خوبصورت جانور بنا کر حنوط کر دیتی تھی

مہم جوئی اور سیاحت کا شوق مجھے ورثے میں ملا ہے۔ زندگی کی ہما ہمی اور دوڑ دھوپ سے جب بھی مجھے تھوڑا سا وقت ملا میں بوریا بستر سمیٹ کر سیاحت پر نکل کھڑا ہُوا۔ اس کے لئے مَیں نے ہمیشہ دشوار گزار علاقوں کو زیادہ پسند کیا' کبھی تپتے ہوئے صحرا تو کبھی بلند و بالا پہاڑوں کی مشکل گزار وادیاں جہاں بہت کم لوگوں کی پہنچ ہو' برفیلے تودوں سے بھرے علاقے اور دُور دراز کے کھنڈرات...... گویا کوئی جگہ کتنی زیادہ ناقابلِ رسائی ہو مجھے اتنی ہی اس میں دلکشی نظر آئی۔ یہی وجہ ہے کہ میری بیوی سے میری کبھی نہیں بنی۔ وہ تفریح کے لئے آرام دہ علاقوں کا انتخاب کرتی ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے کہ مَیں کوئی بدروح ہوں جو ہمیشہ کسی ویرانے کی تلاش میں رہتی ہے۔ میرے سیاحت کے شوق کی وجہ سے مَیں کبھی زندگی کی اعلیٰ سہولتیں بھی حاصل نہیں کر سکا کیونکہ اپنی چھٹیوں میں جمع پونجی ہمیشہ اسی صحرانوردی میں گنوا دی۔ دفتر کے دوسرے لوگ جو چھٹیوں کے پیسے بھی کیش کرا لیتے ہیں اور بیوی بچوں کی فرمائشیں پوری کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ جب کہ مَیں نہ صرف اپنی چھٹیاں سیاحت میں "ضائع" کرتا ہوں بلکہ پلے سے پیسے بھی خرچ کرتا ہوں جس کے لئے مجھے سارا سال کچھ نہ کچھ رقم چپکے چپکے بیوی سے پس انداز کر کے رکھنی پڑتی ہے۔ ویسے مَیں سچ کہتا

ہوں اگر مجھے اس طرح رقم میسر نہ آئے تو مَیں گھر کی کسی قیمتی شے پر ہاتھ صاف کرنا بھی جائز خیال کرتا ہوں۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مَیں ابھی کنوارا تھا اور دنیا داری کے جھنجھوڑوں میں نہیں پھنسا تھا جو کچھ کماتا اپنی ذات پر خرچ کرتا اور چھٹیوں کی سیاحت کے لئے بھی کچھ نہ کچھ بچا رکھتا کیونکہ مَیں خاندان میں سب سے چھوٹا ہوں اور والدین میرے ہوش سنبھالنے تک اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ بڑے بہن بھائی اپنے اپنے گھروں میں آباد تھے۔ انہوں نے مجھے پڑھا لکھا کر اپنے قدموں پر کھڑا کر دیا تھا۔ اب مَیں تھا اور میرا شوقِ آوارگی۔

وہ جنوری کی ایک یخ بستہ رات تھی جب مَیں اپنا سامان سمیٹے وادیٔ کیلاش اور کافرستان کا حسن دیکھنے روانہ ہوا۔ سنا ہے پرانی داستانوں میں جس پرستان کا ذکر ہے وہ یہی علاقے ہیں جو اپنے لازوال اور انمٹ حسن کی بدولت زیبِ داستان بنتے بنتے شاید حقیقت سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔

مَیں آپ کو راستے کی تفصیل بتا کر وقت ضائع نہیں کروں گا کیونکہ جو قصہ مَیں آپ کو سنانے جا رہا ہوں اس کا تعلق سفرنامہ نگاری کی جادو بیانیوں سے نہیں بلکہ تجسّس، حسرت اور خوف کی اس دنیا سے ہے جسے قانونِ الفطرت کہا جاتا ہے۔ مَیں آج بھی اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو حیران ہو ہو کر سوچتا ہوں اور بار بار اس پر غور کرتا ہوں لیکن یہ گتھی نہ سلجھتی کہ آج کی دنیا میں ایسے واقعات حقیقت ہو سکتے ہیں۔ مَیں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا یا مَیں ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔

ہوا یوں..... کہ مَیں اپنے راستے خود بنانے اور نئی دنیائیں تلاش کرنے کے جنون میں ہمیشہ طے شدہ راستوں سے ہٹ کر سیاحت کے لئے نئے اور انجانے راستے اختیار کر لیتا ہوں۔ جن میں بعض اوقات مجھے کئی کئی روز کے فاقے اور مشقتیں بھی برداشت کرنی پڑیں، تب جا کر کہیں آبادی یا رہنے کی کسی جگہ کا نشان نظر آیا۔ بے شک اس میں بعض اوقات جان کے لالے بھی پڑے لیکن جو مزاحمہ جوئی کی سیاحت میں ہے وہ عام سیدھی سادھی گائیڈ کی مدد سے کی جانے والی سیاحت میں کہاں؟

میرے پاس بیگ میں صرف چوبیں گھنٹے کے لئے کھانے پینے کا سامان تھا۔ مَیں جب چلا تو ہلکی ہلکی برف باری ہو رہی تھی لیکن جوں جوں مَیں آگے بڑھتا جا رہا تھا نہ صرف راستہ دشوار تھا بلکہ برف باری میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ سردی سے ٹنڈ منڈ ہوئے درختوں پر برف جم چکی تھی۔ ٹیلوں' پہاڑیوں اور اردگرد کے بڑے پہاڑوں پر برف کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور نزدیک کسی آبادی کے آثار نہیں تھے۔ لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ پگڈنڈی وہیں بنتی ہے جہاں کہیں آبادی ہو اور مجھے ایسی ہی کسی آبادی میں جانا تھا جو دنیا سے الگ تھلگ ہو اور اس پگڈنڈی کے آخری سرے پر آباد ہو......مَیں چلتا گیا......چلتا گیا......یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ بارہا رک کر ستایا اور تھرماس میں سے دو دو گھونٹ چائے کے بھرے۔ برف کی دودھیا سفیدی کے باوجود اِک سرمئی سا اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا کیونکہ اب شاید شام ہو رہی تھی۔ مَیں نہیں جانتا کہ یہ کون سی جگہ تھی۔ بہرحال اب مجھے جلد سے جلد کسی ایسی جگہ پہنچنا چاہیے تھا' جہاں میں رات بسر کر سکوں۔

برفباری رُک چکی تھی اور اب یخ ہوا چلنی شروع ہو گئی تھی جس سے ہڈیوں میں گودا جمتا ہُوا محسوس ہو رہا تھا کیونکہ برف جب نرم ہوتی ہے اور گر رہی ہوتی ہے تو سردی کی شدت وہ نہیں ہوتی جو ہوا چلنے کے بعد شروع ہو جاتی ہے کیونکہ اس ہوا سے نرم برف جمنی شروع ہو جاتی ہے اور جمی ہوئی برف کی ٹھنڈک جتنی جان لیوا ہوتی ہے یہ برفیلے علاقوں کے لوگ ہی جانتے ہیں۔

سچی بات ہے اب میں تھک کر چور ہو چکا تھا' اور میرا ولولہ آہستہ آہستہ پچھتاوے میں بدل رہا تھا کہ مَیں کیوں اس اجاڑ سنسان راستے پر ہو لیا؟ آخر کیا سمائی میرے دماغ میں؟ یہ جوانی کی جولانی بھی عجیب چیز ہے۔ آدمی خود ہی پریشانیوں میں مبتلا ہو کر خوش ہوتا ہے۔ چیلنج قبول کرتا ہے اور پھر انہیں سر کر کے مسرور ہوتا ہے۔ مَیں اپنی سوچ میں گم گرتا پڑتا چلا جا رہا تھا کہ .... اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ میرے پیروں کی پگڈنڈی اچانک ختم ہو گئی اور میرے سامنے پرانی لکڑی کا ایک گیٹ ہے۔ جو شاید کوئی ایک صدی پرانا ہو گا یا شاید اس سے بھی زیادہ' لیکن اتنے بڑے بڑے مضبوط

ستونوں پر کھڑا تھا کہ اس کی شان بان میں اب بھی کوئی فرق محسوس نہ ہو رہا تھا۔ اب جو نگاہ اٹھا کر دیکھتا ہوں تو گیٹ کے اس پار پتھر کی سرخ سلوں سے بنی یہ عالیشان حویلی کھڑی ہے۔ استبداد زمانے کے ہاتھوں اس پر جابجا کائی لگی ہے اور اس کی ریخوں میں سے بہت جگہ پلستر جھڑ چکا ہے۔ جن میں سے سوکھی سوکھی شاخیں جو موسم بہار میں ہری ہری ہوں گی، سر نکالے کھڑی تھیں جن پر ہلکی ہلکی برف پھیلی ہوئی تھی۔

مَیں ابھی ہکا بکا حیران پریشان کھڑا تھا کہ اس ویرانے میں جہاں آبادی کا نام ونشان نہیں ایک دم یہ عظیم الشان مکان کہاں سے آن کھڑا ہُوا؟

خوف کے مارے میری گِگھی بندھ گئی۔ بجائے اس کے کہ مَیں خوش ہوتا رات کا کوئی ٹھکانہ نظر آیا مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا یا الٰہی ایکا ایکی بنا بنایا گھر کہاں سے آن ٹپکا؟...... یہ کسی جن کی کارستانی تو نہیں؟...... یہ میری نظروں کا دھوکہ تو نہیں؟...... لیکن یہ سچ تھا بالکل سچ...... جیسے یہ سچ کہ چاروں طرف برف پڑی تھی...... جیسے یہ سچ کہ مَیں زندہ کھڑا تھا اسی طرح یہ سچ تھا کہ یہ گھر بھی اصلی اور صحیح گھر تھا۔ پرانے زمانے کی طرز کا گھر.... لیکن اس غیر ترقی یافتہ اور دور افتادہ جگہ پر؟.... کیسے؟.... یہ سوچ سوچ کر میری سٹی گم ہو رہی تھی۔ ابھی مَیں تذبذب کے عالم میں کھڑا تھا کہ اندر سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی لکڑی کا دروازہ ایک چرچراہٹ سے کھلا اور...... اندر سے ایک انگریز بڑھیا برآمد ہوئی یک نہ شد.... دو شد انگریز عورت.... اس قبائلی علاقے میں؟...... یااللہ کیا معمّہ ہے۔ عورت کے پیچھے پیچھے ایک کتا نکلا، یہ لمبا تڑنگا سرخ سرخ زبان لٹکائے سیاہ رنگ کا کتا۔ کتوں سے تو مَیں بچپن سے ہی خوف زدہ ہوں، جب سے محلے کے ایک کتے نے مجھے بچپن میں کاٹ کھایا تھا، مَیں کتے کو دور سے ہی دیکھ کر خائف ہو جاتا ہوں۔

انگریز عورت کتے سمیت میری طرف بڑھی.... میری حیرت کی انتہا اور بھی نہ رہی کہ میرے آنے کی اطلاع اسے کِس طرح ہو گئی۔ وہ تیر کی طرح میری طرف آئی اور انگریزی میں مجھے اندر آنے کی دعوت دی۔ شاید میرے لباس سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ مَیں مقامی باشندہ نہیں ہوں..... اب مَیں نے قریب سے دیکھا تو مجھے اس

بڑھیا سے کراہت سی محسوس ہوئی۔ نجانے کیوں اس کے چہرے پر جھریوں کا جال سا بچھا تھا اور گردن کا گوشت ٹرکی پرندے کی طرح لٹک رہا تھا۔ سر پر براؤن سکارف باندھ رکھا تھا جس میں سے اس کے گرے بال جھانک رہے تھے۔ اس کی ہری ہری چندھی آنکھوں میں عجیب غیر مرئی سی چمک تھی جسے زیادہ دیر تک دیکھا نہ جا سکتا تھا اور انوکھی مڑی ہوئی ناک دیکھ کر کہانیوں میں پڑھی اور تصویری کہانیوں میں دیکھی جادوگرنی یاد آ گئی۔ اس کے قریب سے بدبو کا عجیب ہولہ سا اٹھا۔ مَیں غیر ارادی طور پر پرے ہٹ گیا۔

مَیں اس سرائے کی مالکہ ہوں جو مَیں نے تمہارے جیسے شوقین سیاحوں کے لئے کھول رکھی ہے۔ تم اندر آ سکتے ہو۔ اس نے اندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عجیب مردانہ آواز میں کہا اور اب مَیں نے پہلی مرتبہ غور کیا کہ دروازے پر سرائے کا بورڈ لگا تھا اور ناشتہ کھانے اور رات کے ٹھہرنے کے ریٹ بھی لکھے تھے جو کبھی پڑھے جانے کے قابل ہوں گے۔ اب اگر وہ مجھے نہ بتاتی تو شاید کبھی نہ پڑھ سکتا' پچاس روپے رات ٹھہرنے کے اور صبح کا ناشتہ بھی' کھانے کے الگ پیسے ہوں گے۔ اس نے تفصیل بتائی اور مَیں کچھ کہے سنے بغیر کسی چابی کے کھلونے کی مانند اندر داخل ہو گیا۔ میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جیسے سلب ہو چکی تھی۔ پھر بھی مجھے حیرت ہوئی اتنا سستا نرم گرم بستر رات بھر آرام اور صبح کا ناشتہ صرف پچاس روپے میں' یہ تو سودا مہنگا نہیں۔ مَیں کافی دن یہاں ٹھہر کر مزید سیاحت کر سکتا ہوں،مَیں نے دل ہی دل میں سوچا اور اندر داخل ہو گیا۔

آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر مَیں نے پیٹھ پر سے اپنا بیگ اتارا اور اپنے گیلے بوٹ اتارنے لگا۔ وہ بڑھیا میرے سامنے کے صوفے پر بیٹھ چکی تھی اور اپنا تعارف کرا رہی تھی.......

میرا نام مسز جونز ہے..... میری ساری زندگی اس وادی اور اس علاقے میں ہی گزری ہے۔ مَیں کبھی یہاں سے باہر نہیں نکلی۔

اتنے میں ایک بوڑھا دیسی ملازم کافی لے کر آ گیا۔ مَیں حیران ہُوا کہ اتنی

جلدی اتنی فوری سروس کیسے ممکن ہے؟ اور پھر اسے میری آمد کا علم کیسے ہُوا جب کہ مالکہ ابھی میرے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئی ہے اور نہ تو اس نے کسی کو بلایا اور نہ ہی خود باہر گئی۔ میری حیرت کو بھانپتے ہوئے مسز جونز بولی ”لے لو مسٹر کیا نام ہے تمہارا؟ اس کے چارجز تمہارے بل میں شامل نہیں ہوں گے“ ...... ”عامر.... عامر“ نجانے کیوں مَیں نے گھبرا کر اپنا نام دوبار پکارا۔ ”ہاں‘ مسٹر عامر کافی پیٔو“ .... مَیں نے کسی سمرائزڈ انسان کی طرح کافی کا کپ لے لیا اور گرم گرم مزے دار کافی کی چسکیاں لینے لگا۔

کافی پینے کے دوران ہی مجھے مسز جونز نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا اور مجھے اپنے بارے میں بتا کر میری حیرت دور کرنے کی کوشش کی کہ اس کی ماں انگریز تھی جسے ایک مقامی باشندے کا عشق یہاں تک لے آیا۔ وہ یہاں سے کسی صورت واپس انگلینڈ جانے کے لئے تیار نہ تھی۔ مجبوراً اس کے امیر باپ نے اس کے لئے بڑی مشکلوں سے یہ گھر تعمیر کرا دیا اور خود واپس جا کر مرکھپ گیا۔ مس جونز کی ماں لیری نے ساری عمر اس خوبصورت قبائلی کے عشق میں یہیں گزار دی۔ نتیجے میں ان کی بیٹی روزی بھی یہیں کی ہو رہی۔ اس کا دور کا کزن جونز یہاں آیا شادی کی لیکن جلد ہی اکتا کر واپس لوٹ گیا۔ تب سے اب تک اپنے گھر کو سرائے کے طور پر استعمال کر کے روز گارِ زندگانی کا بندوبست کئے ہوئے ہے اور جب سردیوں میں سیاح کم ہو جاتے ہیں تو جانور حنوط کرنے کا کام کرتی ہے اور یہ فن اس نے ایک مقامی خانہ بدوش خاندان سے سیکھا تھا۔

اب میرا خوف کچھ کچھ دور ہو چکا تھا اور بدگمانیوں کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری دائیں جانب ایک خوب صورت بلی کب سے بے حس و حرکت بیٹھی مجھے گھورے جا رہی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں وحشت برس رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ سمجھانا اور کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ اُف میں بھی کیسا پاگل ہوں‘ بھلا بلی مجھ سے کیا کہنا چاہے گی؟ مَیں اپنے احمقانہ خیال پر خود ہی شرمندہ ہو گیا۔

”اچھا مسٹر عامر آپ کے لئے ہم نے کمرہ ٹھیک کر دیا ہے۔ دوسری منزل پر

ہے تمہیں ملازم دکھا دے گا۔ تمہارے بستر میں گرم پانی کی بوتلیں میں نے رکھوا دی ہیں۔ کچھ اور چیز کی ضرورت ہو تو کہہ دینا۔" کھانے کی میز پر آخر میں یہ کہہ کر اس نے جمائی لی اور اٹھ گئی۔ اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بج رہے تھے اور تکان اور کھانے کی لذت مجھے نیند کی غنودگی دلا رہے تھے۔ میں نے بھی اٹھنا چاہا لیکن اٹھتے اٹھتے اچانک میرا پاؤں بلی سے ٹکرایا۔ گرم گرم نرم نرم بالوں والی بلی لیکن یہ کیا۔ بلی نہ بولی نہ غرائی اور نہ ٹس سے مس ہوئی' بے حس و حرکت پڑی مجھے دیکھتی رہی۔

اور ہاں اس نے تو کچھ کھایا نہیں تھا۔ ورنہ کھانے کے وقت بلیاں ہمیشہ قریب آ جاتی ہیں۔ میری حیرت کو مسز جونز تاڑ گئیں۔ ارے حیران نہ ہو' حنوط کرنے سے کچھ دن پہلے میں انہیں بے حس و حرکت کر دیتی ہوں۔ میرا یہ طریقۂ کار ہے۔ اب کل پرسوں ہی اس کی باری ہے۔ بیگو' اس نے ملازم کو پکارا۔ اس ٹینو کو یہاں سے اٹھا لو اور ہاں وہ اور عاشو کو بھی کچھ کھانے کو ڈال دو۔ اس نے کوارڈر میں پڑے طوطے کے پنجرے کی طرف اشارہ کیا۔

طوطے نے اپنا نام پکارے جانے پر ٹیں ٹیں کا شور مچا دیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ پنجرے میں اس طرح پھڑ پھڑا رہا تھا جیسے ابھی سلاخیں توڑ کر نکل جائے گا۔

مَیں سیڑھیوں کی طرف بڑھا اپنے کمرے میں جانے کے لئے تو مجھے پیچھے سے آواز آئی۔ اور ہاں مسٹر عامر ذرا نیچے بڑے رجسٹر میں اپنا نام پتہ ضرور لکھتے جاؤ یہ ضروری ہے۔

مَیں چلتے چلتے ٹھہر گیا۔ میری بائیں جانب ایک چھوٹی سی میز پر ایک پرانا سا رجسٹر اور پین پڑا تھا۔ میں نے جھک کر نام لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو بے اختیار اسی صفحے پر اوپر کے دو ناموں پر نظر پڑی جن کا اندراج ایک ہفتے کے وقفے سے اسی ماہ کا تھا۔

مس ٹینا رضی اور مسٹر عاشق حسین بلی طوطے اور گاہکوں کے نام کی مماثلت سے میرے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا۔ میری نظر اچانک بلی ٹینو پر پڑی جو میری طرف کرب آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور عاشق پنجرے میں پھڑ پھڑا کر آسمان سر پر اٹھا رہا تھا...... ایک خوف ناک خیال سے خون میری رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہوا۔ میرے

ہاتھ رک گئے...... مسز جونز اپنے کمرے میں جا چکی تھیں اور میں اگلے لمحے جوتے پہن رہا تھا۔ میں نجانے کن خیالوں میں غضب کی ٹھنڈ میں پسینے پسینے ہو چکا تھا۔ میں نے ایک جست میں دورازہ کھول کر باہر دوڑ لگائی اور اس کے بعد...... مجھے کوئی ہوش نہ رہا اور جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو اجنبی چہروں اور اجنبی ماحول میں زخموں سے چور پڑے پایا' جنہوں نے مجھے ایک گھائی سے صبح شدید زخمی اور بے ہوشی کے عالم میں اٹھایا تھا اور اب میں ان کے درمیان تھا' اس بات کو تقریباً بیس برس گزر چکے ہیں۔ میں آج تک نہیں جان سکا یہ حقیقت تھی یا خواب یا کچھ اور......؟ آج جب یہ داستان میں اپنے بچوں کو سناتا ہوں تو وہ کہتے ہیں ابو......

اگر آپ بھی......

اصلی قاتل کون تھا؟

برف باری پوری شدت سے جاری تھی۔ درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے پانچ درجے گر گیا تھا۔ برفیلی دھند کی وجہ سے اندھیرا اتنا بڑھ گیا کہ چند گز دور تک دیکھنا بھی ممکن نہ تھا۔ کاروں کی بتیاں روشن ہونے کے باوجود کسی وقت بھی کوئی حادثہ رونما ہو سکتا تھا۔ بڑی احتیاط اور توجہ سے کار ڈرائیو کرتا اور کئی چھوٹی بڑی سڑکوں سے گزرتا ہوا آخر کار میں اس شاندار فائیو سٹار ہوٹل کموڈور کے قریب پہنچ گیا۔ امراء وزراء اور روسا کے پسندیدہ ہوٹل! جس میں صرف ایک دن ٹھہرنے کا خرچ اتنا تھا جتنا پورے ایک ماہ کا ہو سکتا ہے۔ اور "وہ" اسی شاندار مہنگے ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔

گیٹ کے بائیں طرف مستعد باوردی گیٹ کیپر جھونپڑی نما شیڈ کے نیچے کھڑا تھا۔ اس شیڈ کے اوپر اور اردگرد تاحدِ نظر برف کا بُراق قالین قدرت نے بڑی فراخ دلی سے بچھا دیا تھا۔

میری گاڑی جونہی گیٹ میں داخل ہوئی وہ فوراً ادھر متوجہ ہُوا اور کچھ حیران سا ہو کر گاڑی کی طرف دیکھنے لگا جیسے سوچ رہا ہو کہ یہ...... گاڑی ؟ اور...... اس ہوٹل میں؟...... جب میں کود کر وین سے باہر آیا تو اس کی حیرت میں اور اضافہ ہو گیا۔ میں اور میری وین دونوں ہی دنیا کا مشترکہ آٹھواں عجوبہ تھے۔ مسلی ہوئی پھٹے کالر اور کف کی میلی قمیض، پرانا سا لٹکتا ہُوا بھورا کوٹ، ادھڑے ہوئے پائنچوں کی بدرنگ جین جس

کا رنگ کبھی نیلا رہا ہو گا۔ پھٹے بوٹ' چہرے اور بازوؤں پر جابجا زخموں کے نشان' الجھے الجھے پریشان بال۔ بالکل یہی حال میری وین کا تھا۔ جابجا ڈنٹ پڑے ہوئے' رنگ سے بے نیاز' گھسے ہوئے ٹائر' ڈھیلا انجر پنجر جو چلتے ہوئے طرح طرح کی بھیانک آوازیں نکالتا۔

مَیں نے اپنی فورڈ پارک کی اور عمارت کی طرف جانے والے راستے پر ہو لیا۔ گیٹ کیپر نے اس دوران میں زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالا لیکن مَیں خوب جانتا تھا کہ وہ اس وقت کیا سوچ رہا ہے۔ وہ میری ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لے رہا تھا کہ بھلا اس کنگلے کا اتنے بڑے ہوٹل میں کیا کام؟ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ وہ لپک کر کسی گرے ہاؤنڈ کی طرح میرے قریب آیا اور نہایت شائستہ لہجے میں بولا۔ "سر کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟"

وہ یقیناً یہی سمجھ رہا تھا کہ میں برفانی دھند کی وجہ سے کسی اور جگہ کی تلاش میں بھول کر اس ہوٹل کی طرف نکل آیا ہوں۔ غصہ تو مجھے بہت آیا' دل چاہا کہ ایک زور دار گھونسا اس کی ناک پر جڑ دوں۔ لیکن میں نے غصہ پی جانا ہی بہتر سمجھا' کیونکہ جس کام سے آیا تھا وہ اتنا اہم تھا کہ کوئی جھگڑا فساد مول لینا اس وقت اچھا نہ تھا۔ غصہ دکھانے کا سیدھا سیدھا مطلب یہی تھا کہ میں اپنے خستہ حُلیے کی وجہ سے بیک بنی و دوگوش یہاں سے نکال دیا جاتا۔ لہٰذا میں نے اپنی طبیعت پہ جبر کیا اور مصلحتاً پُرسکون رہا۔ البتہ کوٹ کی اندرونی جیب سے شناختی کارڈ نکال کر دکھا دیا۔ "پریس!" مَیں نے اسے اپنی اہمیت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ اُس نے کارڈ اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ کچھ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں گردن ہلائی اور پوچھا۔ "کس سے ملئے گا؟ سر!"

مَیں اسے بتانا نہیں چاہتا تھا کہ مَیں یہاں مِس گیلی ٹرنر سے انٹرویو لینے آیا ہوں۔ "کسی خاص آدمی سے نہیں' بس یونہی معمول کے راؤنڈ پر ہوں۔ شاید کوئی دلچسپ خبر وغیرہ.........مل جائے۔"

"بہت خوب!!" اس نے سنجیدگی سے کہا اور آگے سے ہٹ گیا۔ مَیں نے کارڈ جیب میں ڈالا اور ہوٹل کی طرف بڑھا۔ یکایک پیچھے سے آواز آئی۔

"ہیلو مسٹر! جدھر آپ جا رہے ہیں اُدھر وی آئی پی رہائشی سویٹ ہیں۔ آپ دوسری طرف سے لاؤنج کی طرف جایئے"۔ مَیں نے گھوم کر دیکھا یہ وہی دربان تھا۔ یقیناً وہ مجھے کوئی تھرڈ کلاس اخباری رپورٹر سمجھ رہا تھا۔ ایسا رپورٹر جو بڑی بڑی شخصیات کے کمروں کی طرف پَر بھی نہیں مار سکتا تھا۔

اگر وہ یہ سوچ رہا تھا تو شاید درست سوچ رہا تھا۔ پچھلے چھ سال کے دوران کئی ایڈیٹر نااہلی اور فرائض سے کوتاہی برتنے پر مجھے نوکری سے جواب دے چکے تھے۔ ان ایڈیٹر صاحبان کی رائے میں اگر مجھ میں کوئی صلاحیت تھی تو صرف یہ کہ مَیں پنسل اچھی تراش سکتا ہوں اور بس۔ لیکن اس بے چارے گیٹ کیپر کو خبر نہ تھی کہ مَیں نے ذلت کے اس گڑھے سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور مَیں اتنا اہم کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو میری اگلی پچھلی سب نااہلیوں اور کوتاہیوں کو شاندار کامیابی میں بدل دے گا اور مَیں باعزت زندگی گزارنے کا آغاز کروں گا۔ کل کا سورج میری خوشی قسمتی کا دن لے کر طلوع ہو گا کیونکہ میں مِس گیلی ٹرنر جیسی ناقابلِ رسا خاتون کا انٹرویو کرنے والا ہوں۔ یا یوں سمجھئے اپنی متاعِ عزیز فروخت کرنے جا رہا ہوں' وہ جس کے لئے مَیں اب تک زندہ تھا۔

مَیں نے گیٹ کیپر کی بات مان لی' کیونکہ اس کی بات مانے بغیر مَیں اس بڑے ہوٹل میں گھسنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مَیں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بوجھل قدموں کے ساتھ لاؤنج کی طرف چل دیا۔

گیلی ٹرنر-------- یہ نام آج کل اخبارات کی شہ سرخیوں کا موضوع تھا اور نہایت چٹ پٹی خبر کا مسالہ تھا۔ یہ نام اخبار بکنے کی ضمانت بن گیا تھا۔ سنہرے بالوں اور حسین چہرے والی دراز قد حسینہ گیلی ٹرنر..... جس کی ایک جھلک دیکھنے کو لوگ دیوانوں کی طرح لپکتے تھے' وہ اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ اس کی شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی' امریکہ کے نمبر تو دولت مند شخص کے وجیہ و شکیل بیٹے سے۔ جب دو مشہور شخصیتوں کی شادی کا معاملہ ہو تو چٹ پٹی خبریں کیوں نہ بنیں؟ ان کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ دنیا کی منتخب جگہوں سے شاپنگ ہو رہی تھی۔ گیلی ٹرنر جہاں

جاتی اخباری نمائندے شکاری کتوں کی طرح اس کا تعاقب کرتے لیکن وہ کسی کو اپنی تصویر اتارنے یا انٹرویو کی اجازت نہیں دیتی تھی اور ہر دفعہ وہ فوٹو گرافروں اور اخباری نمائندوں کو جل دینے میں کامیاب ہو جاتی۔ اس سے پہلے کہ کسی اخباری نمائندے کو اُس کی سَن گُن ملے، وہ دوسری جگہ پہنچ چکی ہوتی۔ اس کے باوجود لوگ اس مثالی جوڑے کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھے۔ امریکہ کی حسین ترین ماڈل گرل اور امریکہ کے امیر ترین آدمی کا امیر ترین بیٹا یعنی دھڑا دھڑ بکنے والا موضوع۔ ان دنوں اگر کوئی خوش نصیب گیلی ٹرنر سے انٹرویو لینے میں کامیاب ہو گیا تو اس کا مستقبل ہمیشہ کے لئے سنور سکتا تھا اور سچ پوچھئے تو جانے کیوں مجھے یقین ہو رہا تھا کہ ایک بار گیلی سے میرا آمنا سامنا ہو گیا تو وہ میرے ساتھ کچھ دیر بات چیت ضرور کرے گی۔ اسے بات چیت کرنا ہی پڑے گی۔ دل سے مجبور ہو کر یا وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر کیونکہ جو معقول وجہ میرے پاس تھی وہ کسی اور اخباری رپورٹر کے پاس نہیں تھی۔ جب یہ انٹرویو چھپے گا تو وہی ایڈیٹر جو مجھے ذلیل و رسوا کر کے نکال چکے تھے، بڑی سے بڑی تنخواہ کی پیش کش کریں گے اور پھر میرا کیریئر نئے سرے سے شروع ہو گا۔

یہ درست ہے کہ اپنے اور گیلی ٹرنر کے درمیان ہونے والی گفتگو کو اخبار کے ہاتھ بیچنا اپنی روح کو بیچنے کے مترادف تھا، تاہم مجبوری ہے۔ مجھے بھی جینے کے لئے شناخت اور عزت کی ضرورت ہے۔ مَیں اپنے آپ سے یہی باتیں کرتا شیشے کے بڑے دروازے سے گزر کر لاؤنج میں داخل ہُوا۔ ڈور میٹ سے اپنے بوسیدہ جوتے رگڑ کر پُرسکون ہال میں آگے بڑھ گیا۔ میرے کوٹ پر پڑی برف کی پتیاں ننھی ننھی پانی کی بوندوں میں تبدیل ہو کر موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ مَیں نے بازو زور سے جھٹک کر انہیں گرا دیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا ہُوا کلرک مجھے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ گرم گرم فضا میں آ کر احساس ہُوا کہ میری ٹانگ کا پرانا زخم ٹھنڈ سے کس قدر تکلیف دے رہا تھا۔ درد کی ٹیسیں لگاتار اُٹھ رہی تھیں اور مَیں ڈر رہا تھا کہ ابھی پیچھے سے استقبالیہ کلرک مجھے رُک جانے کا حکم دے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو میرے لئے بڑی مشکل پیدا ہو جاتی۔ وہ میری آمد کا مقصد پوچھتا اور مجھے بتانا پڑتا۔ پھر وہ گیلی کی سیکرٹری کو فون

کرتا اور وہ عورت میرا نام سننے سے پہلے ہی جھلا کر فون بند کر دیتی۔ یوں میرا کام شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا۔ دماغ میں عجب کھُدبُد سی ہونے لگی' اس لئے مَیں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ میری خوش قسمتی کہئے کہ کلرک نے مجھے آواز نہیں دی اور مَیں لفٹ تک پہنچ ہی گیا۔

"دسویں منزل" مجھے دوبارہ کہنا پڑا کیونکہ پہلی مرتبہ میری آواز حلق سے نکل ہی نہ سکی۔ لفٹ بوائے نے بٹن دبایا' دروازے کھلے اور مَیں تقریباً دوڑ کر لفٹ میں داخل ہو گیا۔ فوراً ہی لفٹ حرکت میں آ گئی۔ اچانک مجھے شدید گرمی کا احساس ہُوا۔ یہ گرمی بیرونی تھی یا میرے اندرونی پُرجوش جذبات کی جس نے مجھے آناً فاناً پسینے میں شرابور کر دیا۔ محسوس ہُوا کہ گردن پر پسینے کی دھاریں سی بہہ رہی ہیں۔ مَیں نے جلدی سے رومال نکال کر اپنی گردن کے گرد لپیٹ لیا۔ اتنے میں لفٹ دسویں منزل پر پہنچ گئی تھی۔ باہر نکلا لفٹ بوائے کی نظریں مجھ پر لگی تھیں۔ چند لمحے رک کر وہ دیکھتا رہا کہ مَیں کس طرف جاتا ہوں۔ مَیں کموڈور کے جغرافیے سے اچھی طرح واقف ہو کر آیا تھا۔ جانتا تھا کہ گیلی کا سویٹ بائیں جانب اور دوسرے کمرے دائیں طرف ہیں' اس لئے میں دانستہ دائیں طرف مڑ گیا۔ لفٹ بوائے کا تجسّس ختم ہو چکا تھا۔ مَیں نے گردن موڑ کر دیکھا' لفٹ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔۔۔۔ فوراً پلٹا اور مَیں نے گیلی ٹرنر کے سویٹ کا مین گیٹ چھوڑ کر اس راہداری کا راستہ پکڑا جس کے آخر میں ایک چھوٹی سی سیلف سروس لفٹ موجود تھی۔ اس لفٹ کے عین سامنے ایک دروازہ گیلی ٹرنر کے سویٹ کی طرف جاتا تھا۔ مَیں نے دروازہ دھکیل کر دیکھا' میرے اندازے کے عین مطابق وہ بند تھا۔ ایک بڑا سا تالا پڑا تھا جو پیچیدہ قسم کا نہیں تھا۔ ذرا سی توجہ اور کوشش سے تالا کھولا جا سکتا تھا۔ مَیں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور اطمینان سے جیب میں ہاتھ ڈال کر سٹیل کی کنجیوں کا گچھا نکالا۔ اس میں کئی قسم کی کنجیاں پیچ کش اور لیور وغیرہ تھے۔ یہ چیزیں میں احتیاطاً ایسی ہی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے ساتھ لایا تھا۔ ایک کنجی منتخب کر کے مَیں تالا کھولنے کی بے آواز کوشش کرنے لگا۔

مجھے بیک وقت تین طرف دھیان دینا پڑ رہا تھا۔ تالا کھولنے کی کوشش' شور نہ

ہونے پائے اور کوئی آ نہ جائے۔ ایسے موقع پر پکڑے جانا کسی حالت میں بھی مناسب نہ تھا۔ اچانک تالا ہلکی سی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ اس وقت میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مَیں نے آہستہ سے دروازہ دھکیلا' وہ ہلکی سی چرچراہٹ پیدا کرتا ہُوا کھل گیا۔ مَیں نے پھر خوف زدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا مگر خدا کا شکر ہے وہاں کوئی نہ تھا۔ مَیں دروازے میں داخل ہو گیا۔ چند ثانئے بعد مَیں نے اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے ہال میں پایا۔ اس کے بائیں جانب تین دروازے کھلتے تھے۔ پہلا دروازہ باتھ روم کا' دوسرا گیلی کے بیڈ روم کا اور تیسرا سویٹ کے بڑے لاؤنج کی طرف تھا۔

مَیں اس خوب صورت آراستہ و پیراستہ ہال میں گم سم کھڑا تھا اور لاؤنج کی طرف سے ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز آ رہی تھی۔ گیلی اندر ہے بھی یا نہیں؟ یہ یقین نہ تھا بہرحال مَیں نے چپکے سے لاؤنج کا دروازہ کھول کر ذ اسی جھری بنا کر جھانکا۔ ایک شخص آرام کرسی پر بیٹھا چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں سلگا ہُوا سگریٹ دھیرے دھیرے دُھواں چھوڑ رہا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ مَیں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کاش! یہ یہاں نہ ہوتا۔ مَیں نے سوچا پھر ہولے ہولے دروازہ بند کر دیا۔ گیلی یہاں نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بیڈ روم' باتھ روم میں سے کسی ایک کے اندر ہو گی۔

پہلے بیڈروم دیکھنا چاہئے' چنانچہ مَیں نے بڑی احتیاط سے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا پہلے پہل تو مجھے کچھ نظر نہ آیا' کیونکہ اندر اندھیرا تھا لیکن جونہی میری آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو دیکھا کہ وہ اپنے بیڈ پر یوں پڑی ہے جیسے گہری نیند سو رہی ہو۔ مَیں دبے پاؤں چلتا اس کے قریب آیا۔ وہ مہین سفید ریشمی شب خوابی کے لباس میں تھی اور ملگجے اندھیرے میں بلا شبہ اس کا خوب صورت بدن چاندنی کی طرح چمک رہا تھا۔ اس پوز میں یہ تصویر اخبار کے پہلے صفحے پر غضب ہی ڈھائے گی' مَیں نے خالص پیشہ ورانہ انداز میں سوچا۔ اس کے سنہرے بالوں کے ریشمی لچھے تکئے پر بکھرے ہوئے تھے اور گردن دیوار کی طرف مڑی ہوئی تھی۔ ایک پاؤں پلنگ سے نیچے لٹک رہا تھا جس میں نازک سا ہائی ہیل سلیپر موجود تھا اور دوسرا پاؤں

پلنگ پر تھا۔ مَیں آگے بڑھا اور پھر جو منظر دیکھا وہ مَیں زندگی بھر نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ میرا بدن جیسے پتھر کا ہو گیا۔ خدا کی پناہ...... یہ میں کیا دیکھ رہا تھا!۔

مَیں نے غیر شعوری طور چیخنے کی کوشش کی' حلق سے آواز ہی نہ نکلی۔ میرے دماغ پر جیسے ہتھوڑے برس رہے تھے۔ قالین پر دوسرے سینڈل کے ساتھ گیلی ٹرنر کا ایک بازو کٹا پڑا تھا۔ اس کا حسین چہرہ اس بری طرح مسخ کیا گیا تھا کہ فرطِ خوف سے میرے بدن کا رواں رواں تھرانے لگا۔ مجھے ہلکا سا چکر آیا اور شاید میں غش کھا کر وہیں گر جاتا مگر مَیں نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا۔ مَیں چیخ چیخ کر رونا چاہتا تھا۔ سامنے گیلی ٹرنر کی لاش پڑی تھی۔ کچھ ہوش میں آن کر میں نے اِردگرد کا بغور جائزہ لیا اور دیکھا کہ سرخ قالین پر قریب ہی ایک ریوالور بھی پڑا ہے۔ یہ نازک وقت جذبات میں آنے کا نہیں تھا۔ اپنی جان بچانے کی فکر کرنے کا تھا۔ کیونکہ لاش سامنے پڑی تھی اور میں موقع پر تنہا تھا۔۔۔۔۔ وہ بھی غیر قانونی طریقے سے چوری چھپے اور اجازت کے بغیر۔ کوئی بھی شخص کسی بھی لمحے یہاں نمودار ہو کر مجھے دھر سکتا تھا۔

کسی کی نگاہ میں آئے بغیر اسی راز داری سے نکل جانا ہی مناسب تھا۔ اگرچہ میرے لئے یہ مرحلہ آسان نہ تھا' تاہم جان بچانے کی فکر کرنا اور گیلی کو اس حالت میں چھوڑ کر جانا بھی دشوار تھا' کیونکہ گیلی اور مَیں زندگی کے حسین دنوں میں ہم سفر رہ چکے تھے۔ کوئی تین ہزار میل دور اور بیس برس پرے جب گیلی ایک نوخیز کلی تھی اور مَیں جیالا نوجوان۔ اس وقت گیلی صرف گیلی تھی۔ محنت کش لڑکی' حسین ضرور تھی لیکن اخباری سرخیوں کا موضوع اور میگزین کریز نہ بنی تھی۔ اُس زمانے میں وہ امریکہ کے نمبر ٹو امیر ترین آدمی سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اور میرے نام کا ایک حصہ بھی میسن تھا۔ ہم اپنے ناموں کی اس مماثلت پر اکثر ہنسا کرتے تھے۔ آخر کار سچ مچ یہ مماثلت حقیقت بن گئی۔ ہم ایک دوسرے کے ہو گئے۔ آج کی گیلی ٹرنر درحقیقت گیلی میسن تھی۔ آج بھی اور اس وقت بھی میری قانونی بیوی۔

وہ دن مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے جب میری اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ دوسری جنگِ عظیم کا زمانہ تھا اور بہار کے دن۔ مَیں رائل ایئر فورس میں

کینیڈین پائلٹ تھا اور گیلی ان دنوں ماڈلنگ جیسے مشکل میدان میں جگہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہماری ملاقات لندن کی ایک حسین شام کو پارٹی میں ہوئی۔ سب کی نظریں گیلی پر جمی ہوئی تھی۔ ایسی حسین اور پُرکشش لڑکی لندن میں کم ہی نظر آتی ہے۔ لمبا قد' سڈول بدن' سنہرے بال' سبزی مائل نیلی آنکھیں' مسکراتا ہُوا پُر اعتماد چہرہ' کمسن لیکن خود آگاہ۔ اتنی بڑی پارٹی میں وہ سب سے منفرد تھی۔ اتفاق سے اس کی نشست میرے برابر تھی۔ اسی دوران میں ہم نے محسوس کیا کہ ہم ایک ساتھ' ایک ہی بات پر ہنسے۔ ایک ہی بات سے یکساں محظوظ ہوئے اور ایک ہی وقت میں کسی چیز پر ناپسندی کا اظہار اتنا بے ساختہ ہُوا جیسے ہم ایک دوسرے ہی کے لئے بنے تھے۔ اس کا انداز رکھ رکھاؤ کسی سلجھی ہوئی خاتون کا سا تھا حالانکہ اس کا سن پندرہ سولہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ مَیں واضح طور پر اس سے متاثر ہو چکا تھا۔ پارٹی کے اختتام تک مَیں نے اسے دوبارہ ملنے کے لئے راضی کر لیا۔ اسے شب بخیر کہہ کر روانہ ہُوا تو میرا دل اداس ہو چکا تھا۔

چھ ماہ کی مختصر اور طویل ملاقاتوں کے بعد ہم شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ یہ وقت ایسا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ وقت نہیں رہ سکتے تھے۔ میری ڈیوٹی ہی ایسی تھی۔ دوسرے اس کی اپنے پروفیشن کے لئے کوششیں بھی آڑے آتیں۔ وہ خوبصورت ضرور تھی لیکن ایک تو جنگ کا زمانہ اور پھر شو بزنس کے سینئر حاسد کسی نئے آرٹسٹ کو کہاں آگے بڑھنے کا موقع دیتے ہیں لیکن گیلی بہت باہمت لڑکی تھی۔ میرے منع کرنے کے باوجود اپنا کیریئر خود بنانا چاہتی تھی۔ اسی کوشش میں کئی کئی روز ملاقات نہ ہو پاتی۔ کبھی میری ڈیوٹی ہوتی تو کبھی اس کے ٹیسٹ اور انٹرویوز وغیرہ کا چکر ہوتا۔ اس کے باوجود جو وقت بھی ہم نے اکٹھے گزارا' پُرلطف اور محبت سے لبریز گزارا۔ خدشہ تھا کہ مجھے کسی خطرناک مشن پر نہ بھیج دیا جائے۔ مَیں دعا کرتا کاش! جنگ چند روز کے لئے تھم جائے تو دو محبت کے مارے جی بھر کر ایک دوسرے کو دیکھ سکیں مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ یہ ناقابلِ فراموش زمانہ جب زندگی جنگ کے جہنم میں بھی حسین لگنے لگی تھی۔ صرف چار دن رہا اور مجھے چھٹی کینسل کرکے بلا لیا گیا'

ایک بہت بڑے آپریشن کے لئے ـــــــــــ برلن پر بڑا حملہ کرنے کے لئے۔

حملہ بہت بڑا اور بہت منظم تھا۔ اس کے باوجود جرمنوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہمارے کئی طیاروں کو نشانہ بنایا۔ ان میں ایک طیارہ میرا بھی تھا۔ یہ تو ایک نہ ایک دن ہونا ہی تھا۔ ایک زور دار دھماکے سے میرا طیارہ فضا میں دو ٹکڑے ہو گیا۔ دونوں ٹکڑے بھڑکتے شعلوں کی شکل میں تیز رفتاری سے زمین کی طرف گرنے لگے۔ مجھے اپنے ساتھی پائلٹ کی بھی خبر نہ تھی۔ مَیں کاک پٹ میں پھنسا ہولناک رفتار سے زمین کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ مَیں ان خوف ناک شعلوں کو آج بھی فراموش نہیں کر سکتا جو بے شمار اژدہوں کی طرح جبڑے کھولے میری طرف بڑھ رہے تھے اور مَیں اتنا بے بس تھا کہ جنبش بھی نہ کر سکتا تھا۔ آخری سہارا پیراشوٹ کا تھا لیکن اپنی سیٹ سے آزاد ہونے سے پیشتر ہی شعلے میرے فلائنگ سوٹ تک پہنچ گئے تھے اور مَیں انہیں ہاتھوں سے دُور رکھنے کی نادان اور ناکام سی کوشش کر رہا تھا۔ اتنے میں میرے دستانے بھی بری طرح جل گئے۔ اور اس لئے تو میرے ہوش وحواس جواب دے گئے' جب قلابازیاں کھاتے کاک پٹ سے میری نظر قریب سے قریب تر آتی زمین پر پڑی۔ اب موت یقینی تھی۔ خدا کو شاید میری بے بسی پر رحم آگیا کہ ایک جھٹکے سے مَیں سیٹ سے باہر نکل گیا اور مَیں نے پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگ لگا دی لیکن پیراشوٹ تھا کہ کھلنے کا نام نہ لے رہا تھا۔ موت کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ دفعتاً زبردست جھٹکا لگا اور مجھے اپنے شانے جڑ سے اکھڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔ پیراشوٹ کھل گیا تھا اور مَیں خشکی کے بجائے پانی میں جا گرا۔ یہ ایک جھیل تھی اور مجھے اس میں سے تیر کر نکلنا تھا۔ میرے جلے ہوئے زخموں میں سے درد کی ناقابلِ برداشت ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ مَیں نے اپنے حواس قائم رکھنے کی بڑی کوشش کی مگر بے سود۔

آنکھ کھلی تو جرمنوں کی قید میں تھا۔ اپنی قید کے ابتدائی چھ ہفتے مَیں نے ہسپتال میں کاٹے کیونکہ زخم بہت شدید نوعیت کے تھے۔ اس کے بعد مجھے قریبی جنگی قیدیوں کے کیمپ میں منتقل کر دیا گیا۔ وہاں میرا علاج بعد میں بھی باقاعدگی سے ہوتا رہا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد جرمنوں نے قیدیوں کی نگرانی ترک کر دی' کیونکہ اس

وقت وہ خود اپنی طرف بھی توجہ نہ دے سکتے تھے۔ اتحادی فوجیں جرمنی میں بہت دور تک پہنچ گئی تھیں۔ امریکہ اور برطانیہ مغرب کی طرف سے اور روس مشرق کی طرف سے دباؤ ڈال رہا تھا۔ قیدیوں کو شطرنج کے مہروں کی طرح تیزی سے ایک سے دوسری جگہ منتقل کیا جانے لگا۔ جرمن ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح پچاس پچاس میل پیدل ہنکا کر لے جاتے۔ کئی دفعہ تو چند گھنٹوں کے بعد ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ کیمپ منتقل کرنے کے احکام آ جاتے۔ پیدل چلتے چلتے کئی زخمی اور بیمار قیدی چل بسے۔ بہت سوں کی حالت غیر ہو گئی اور اکثر صحت مند قیدی تیزی سے بیمار پڑنے لگے۔ میری زخمی ٹانگیں بھی جواب دے چکی تھی۔ زخموں کے ٹانکے کھل کر دوبارہ ہرے ہو گئے تھے۔ میں جانتا تھا کہ روز روز کی یہ مارچنگ جاری نہ رکھ سکوں گا۔ میرا انجام بھی یہی ہو گا کہ دیارِ غیر میں بے بسی اور بے کسی کی موت۔ کئی مرتبہ ایسا ہُوا کہ قیدیوں کا یہ ریوڑ مارچ کرتے کرتے اچانک کسی دوسری سمت سے آنے والے ریوڑ میں گڈمڈ ہو جاتا۔ یوں لگتا جیسے پورا وسطی یورپ دوڑ رہا ہو۔ ایک دن اسی مارچ کے دوران مَیں چکرا کر گرا اور پھر اُٹھ نہ سکا۔ ایک گارڈ نے دو چار ٹھوکریں مار کر اٹھانا چاہا لیکن بے سود۔ مجھ میں تو حرکت کرنے کی سکت ہی نہ تھی۔ اس کی ٹھوکروں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے بے بسی سے دوسرے گارڈ کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ احکام آ چکے تھے کہ روس سر پر آن پہنچا ہے' لہٰذا جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔ گارڈ نے چلتے چلتے ایک زبردست ٹھوکر میری کھوپڑی پر لگائی تاکہ میں اپنے سانس جلد پورے کر سکوں۔ درد کی اذیت دہ لہر میرے انگ انگ میں دوڑ گئی اور مَیں اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔ جانے کب تک بے ہوش پڑا رہا۔

آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میرے بدن سے نیلی یونیفارم غائب ہے اور مَیں جرمن یونیفارم پہنے ہوئے ہوں۔ اس کے تمغے اور فیتے تک موجود ہیں' جانے کِس نے اور کِن حالات میں جان بچانے کے لئے یہ حرکت کی تھی۔ اب مجھے معلوم ہُوا کہ مَیں روسی قیدی بن چکا ہوں۔ بہرحال روسی قید سے رہائی حاصل کرنے میں مجھے چار سال کا طویل عرصہ لگا۔ میری قسمت اچھی تھی جو میں روسیوں سے چھٹکارا پانے میں کامیاب

ہو گیا اور 1949ء میں برطانیہ واپس پہنچ گیا۔ واپس آ کر اپنے ہیڈکوارٹر میں رپورٹ کی اور گیلی کی تلاش میں نکل کھڑا ہُوا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ مَیں آپریشن برلن کے دوران مارا گیا ہوں اور میری لاش اس قدر مسخ ہو چکی تھی کہ شناخت ممکن نہ تھی۔ لاش صرف وردی تمغوں اور نمبر سے پہچانی گئی تھی۔ غالباً یہ وہی بدنصیب شخص تھا جس نے میری وردی چرائی تھی۔ لیکن وہ پھر بھی نہ بچ سکا اور جانے کن حالات میں مارا گیا۔ میرے مرنے کی خبر سن کر گیلی وہاں سے جا چکی تھی۔ اب اس کا یہاں تھا ہی کون؟ وہ کہاں گئی؟ یہ کسی سے معلوم نہ وہ سکا۔ اس کا اپنا تو کوئی تھا ہی نہیں، زندگی کی جدوجہد میں وہ تنہا تھی، ہمارے مشترکہ دوست اتنے عرصے میں جانے کہاں کہاں بکھر چکے تھے۔ مَیں نے گیلی کو ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ایڈورٹائزنگ اور ماڈلنگ ایجنسیوں سے پتہ کیا لیکن اس کا سراغ نہ مل سکا۔ آخر تھک ہار کر میں نیو یارک چلا آیا اور کچھ عرصے بعد کینیڈا چلا آیا۔ تلاشِ بسیار کے باوجود کوئی معقول روزگار نہ مل سکا۔ زندگی ایک بوجھ بننے لگی تھی۔ مَیں اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھا اور کمزور دکھائی دینے لگا تھا۔ مَیں نے کینیڈا کو ایک بار پھر چھوڑا اور نیو یارک آ گیا۔ وہاں بھی کوئی روزگار نہ ملا ــــــــ مَیں تھوڑا بہت لکھاری بھی تھا۔ اس میدان میں بھی میری کوششیں ایسی ہی تھی جیسے جلتے چولہے میں برف کا گولہ پھینک دیا جائے۔ ایک روز اخبار کھولا تو اچانک زندگی سانس لیتی دکھائی دی۔ وہ ایک تصویر تھی جو مَیں نے دیکھی اور دل کی دنیا تہ و بالا ہو کر رہ گئی۔ خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات سے میری آنکھیں بھیگ گئیں۔ مجھے اپنا صحافتی کیریئر بنتا ہُوا دکھائی دیا لیکن بہت بڑی قیمت پر۔

مَیں اخبار اٹھائے فوراً ایک اخبار کے دفتر میں گیا۔ اخبار میرے ہاتھ میں تھا۔ جس میں گیلی ٹرنر کی تصویر کے گرد سرخ حاشیہ لگا تھا اور اسی تصویر کو سامنے رکھ کر میں نے ایڈیٹر کی منت سماجت شروع کر دی کہ اگر وہ مجھے صرف ایک چانس دینے کے لئے تیار ہو جائے تو مَیں اپنے ساتھ ساتھ اس کے اخبار کی قسمت بھی بدل سکتا ہوں۔ مَیں نے اسے بتایا کہ یہ خاتون گیلی ٹرنر جو کسی اخباری نمائندے کو قریب نہیں پھٹکنے دیتی، مَیں اس سے بات چیت بھی کروں گا بلکہ تصویروں کے ساتھ اس کا پورا انٹرویو بھی

حاصل کروں گا۔ایڈیٹر نے پہلے تو صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ مجھے کوئی خبطی یا ناکام عاشق سمجھ رہا تھا۔ لیکن دوسری طرف گیلی ٹرنر سے انٹرویو اور اس کی تصویریں اخبار میں چھپنے کی خواہش بھی اسے اکساتی تھی کہ میری بات مان لے۔ لہٰذا اس نے مجھے اجازت دے دی اور کہا کہ اگر مَیں یہ کام سرانجام دے سکا تو وہ مجھے اخبار میں مستقل ملازمت دے دے گا۔

مَیں گیلی سے پیشہ ورانہ انٹرویو کے علاوہ یہ بھی کہنا چاہتا تھا کہ مَیں اس کی زندگی میں کوئی رخنہ ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ نہایت خاموشی سے اسے طلاق دے کر اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے نکل جاؤں گا۔ اور صرف چند منٹ کا رسمی انٹرویو اور دو چار اچھی سی تصویریں لوں گا اور میرا خیال ہے کہ یقیناً وہ بھی میرے لئے اتنا ایثار ضرور کرے گی۔ لیکن مَیں گیلی سے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ ایک لفظ بھی نہیں اور مَیں خالی ہاتھ کھڑا تھا۔ گیلی سے اتنے عرصے بعد ملاقات بھی ہوئی تو کس بھیانک انداز میں۔ دو باتیں بھی ہم نہ کر سکے بلکہ اب تو مَیں اس سے دور بھاگنے کی فکر میں تھا۔

○○○

مَیں کمرے سے باہر نکلا اور دبے پاؤں اسی راستے کی طرف گیا۔ جدھر سے آیا تھا۔ لیکن ابھی مَیں نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ کوئی شخص لاؤنج کی طرف سے نکلا۔ مَیں ٹھٹکا۔ ہمت نہ تھی کہ پلٹ کر دیکھوں۔ اتنے میں پھر آواز آئی۔ "کون ہو تم؟" آواز بالکل میرے عقب سے آئی۔ پلٹ کر دیکھا' یہ وہی آدمی تھا جو کچھ دیر پہلے لاؤنج میں بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔ وہ اس وقت خوابیدہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں بھاگ جانے کی کوشش کرتا' مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مجھ سے کہیں طاقتور پھرتیلا ہے۔ وہ یقیناً مجھے جانے نہ دے گا۔ بھاگنا بے کار ہے۔ اتنے میں اس کا فلادی پنجہ میرے کندھے پر پڑا۔ ذرا یہیں ٹھہرو! اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا مَیں نے احمقانہ جلد بازی سے ایک زبردست ہاتھ اس کی کنپٹی پر مارا۔ مجھے ایسا کرنا ہی پڑا۔ وہ ایک دفعہ

گیلی کے کمرے میں جھانک لیتا تو مجھے موت کی کرسی سے دنیا کی کوئی طاقت بچا نہیں سکتی تھی، لیکن ------- یہ کیا؟ اس پر کوئی اثر ہی نہ ہوا۔ وہ اسی طرح مزے سے کھڑا رہا۔ اب مجھے دوسری کوشش کرنا تھی مگر وہ بھی میرا ارادہ بھانپ چکا تھا۔ اس نے پہلے ہی مجھے دونوں شانوں سے پکڑ کر اس بری طرح اپنی طرف گھسیٹا کہ اپنی پوری مزاحمت کے باوجود مَیں کسی بے بس پرندے کی طرح اس کے شکنجے میں جکڑا گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ضرور جانتا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اس نے ایک بار پھر زور سے مجھے جھنجھوڑ کر نیچے گرا دیا اور میری ہڈی پسلی ہل گئی۔ وہ چاہتا تو مجھے جان سے بھی مار سکتا تھا۔ اس کے مضبوط بازوؤں اور چوڑے چکلے شانوں میں یقیناً اتنی طاقت تھی۔ پھر اس نے میرے کوٹ کا کالر پکڑا اور مجھے کسی بچے کی طرح اوپر اٹھا لیا۔

"سچ سچ بتا دو کیا بات ہے؟ تم یہاں کیا کرنے آئے تھے؟"

مَیں کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ میرے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور وہ مجھے گھٹنوں سے مسلسل ٹھوکریں مار رہا تھا۔ "میرے ساتھ آؤ" یہ کہتے ہوئے اس نے پھر دھکا دے کر مجھے پرے پھینکا۔ جیسے اسے یقین تھا کہ مَیں اس کے چنگل سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ میرے آگے آگے چلتے ہوئے گیلی ٹرنر کے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے آواز دی۔ "مِس ٹرنر! آپ ٹھیک تو ہیں؟ اُس کا لہجہ اتنا مہذب تھا کہ مَیں حیران رہ گیا۔ اُس نے پھر یہی سوال دہرایا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے دروازے سے کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کی، کوئی آہٹ، کوئی آواز نہ آئی۔ تب اس نے بڑھ کر لائٹ آن کر دی اور ہکا بکا رہ گیا پھر وہ تیزی سے زخمی شیر کی طرح پلٹا اور مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ "تم نے یہ سب کیوں کیا؟......... کیوں کیا؟.......... کِس لئے.......... کِس لئے؟ تم نے مِس ٹرنر جیسی خوب صورت عورت کا خون کر ڈالا۔ وہ کہتا جاتا اور مجھ پر گھونسے برساتا جاتا۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ واقعی غصے اور صدمے سے پاگل ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"مَیں نے یہ سب کچھ نہیں کیا......... مَیں نے تمہاری ٹرنر کو نہیں .... میری بات سنو........ مَیں ....مَیں تو مِس ٹرنر سے صرف ملنے آیا تھا"۔ مَیں اس

کی لاتوں اور مکوں کی زد سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے چلا رہا تھا۔ لیکن اس وحشی نے میری ایک نہ سنی اور مار مار کر میری ہڈی پسلی ایک کر دی۔ مَیں اوندھا گر پڑا' اور وہ مسلسل میرے بازوؤں سر اور منہ پر پیروں سے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ میرا دم گھٹنے لگا اور مَیں تکلیف سے بلبلا رہا تھا' وہ پاگل سؤر کی طرح مجھے مارے جا رہا تھا۔ اب میرے منہ میں خون کا نمکین ذائقہ سا گھل رہا تھا' حتیٰ کہ مجھے قے ہو گئی۔ اُس نے پھر مجھے کوٹ سے گھسیٹ کر اوپر اُٹھایا اور کھینچتے ہوئے لاؤنج میں لا کر کرسی پر پھینک دیا اور خود پاس پڑی کرسی پر بیٹھ کر فون ڈائل کرنے لگا۔ اُس نے دو تین مختلف جگہوں پر فون کئے۔ اس دوران میں اس کی نگاہیں مجھ پر مسلسل جمی رہیں کہ شاید اس کے فون میں مصروف ہونے کا کوئی فائدہ نہ اٹھا لوں لیکن بھاگنے یا مقابلے کی کوشش تو درکنار مجھ میں ہلنے کی سکت بھی نہ تھی۔

وہ فون کرکے فارغ ہُوا تو کچھ دیر خاموش بیٹھا مجھے گھورتا رہا۔ اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا کہ ہوٹل کا ایک گارڈ ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا لئے وہاں پہنچ گیا۔ وہ ناٹے قد کا آدمی تھا۔ آن کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جب مَیں نے اپنے منہ سے بہتا ہُوا خون کوٹ کی آستین سے صاف کیا تو وہ ترحّم آمیز نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ اتنے میں پولیس کے دو افسر بھی پہنچ گئے۔ ایک لمبا ، دبلا سا اور دوسرا موٹا تگڑا' بڑی بڑی آنکھوں اور کرخت چہرے والا۔ اُس نے آتے ہی مجھے بڑے غور سے دیکھا اور اپنے ہاتھوں کی انگلیاں بھینچنے لگا۔ گویا اس کے ہاتھ میری پٹائی کے لئے بے چین ہو رہے تھے لیکن پہلے ان دونوں نے اندر جا کر گیلی کی لاش کا معائنہ کیا اس کے بعد آ کر میرے ساتھ بیٹھ گئے اور سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" اُن میں سے ایک نے پوچھا۔

"ٹام میسن" مَیں بمشکل بول سکا۔

ان میں سے ایک نے میری جامہ تلاشی لی۔ کوٹ کی جیب سے اخبار کا شناختی کارڈ نکالا' یہ کارڈ اس نے اپنے باس کی طرف اُچھال دیا۔

"کیا یہ تمہارا ہے؟"

"ہاں۔" مَیں نے کہا۔
"تم اخباری رپورٹر ہو؟"
"ہاں۔"
"تم نے یہ قتل کیوں کیا؟" اُس کی آواز آہستہ اور لہجہ قدرے نرم تھا۔
"اپنے لئے مشکلات پیدا کرنے سے بہتر ہے تم مجھے صاف صاف سب کچھ بتا دو۔ شاید مَیں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔"
"مَیں نے...... یہ قتل .... نہیں کیا۔مَیں ...... مَیں یہاں آیا ضرور ہوں ...... لیکن اپنے کام سے۔"
میرے سوجے ہوئے ہونٹوں کی وجہ سے مجھے بولنے میں بہت تکلیف ہو رہی تھی۔
"کس کام سے؟" اُس نے پھر پوچھا۔
"مَیں نے بتا دیا کہ میں گیلی ٹرنر سے انٹرویو کرنے آیا تھا"۔ اس نے اپنے لمبے ماتحت سے کہا کہ فون کرکے اخبار کے ایڈیٹر مسٹر ریڈلف بوئی سے پوچھو کہ یہ بات درست ہے۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ "تم شروع سے آخر تک ہر بات صاف صاف بتا دو۔"

مَیں نے رک رک کر آہستہ آہستہ اسے سب کچھ بتا دیا لیکن میرے کان بدستور فون پر ہونے والی گفتگو کی طرف لگے رہے کہ دیکھوں اب ریڈلف بوئی انہیں کیا جواب دیتا ہے۔ وہ مجھے اپنا رپورٹر مانتا ہے یا انکار کر دیتا ہے۔
"ہیلو! ہیلو! ورلڈ نیوز؟ مسٹر ریڈلف بوئی سے بات ہو سکتی ہے؟ اچھا اچھا آپ بول رہے ہیں۔مسٹر ریڈلف! مَیں انسپکٹر ٹیگو کی طرف سے بات کر رہا ہوں۔ ہم ایک شخص ٹام میسن کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں۔ کیا وہ آپ ہی کے اخبار کا رپورٹر ہے؟" یہ کہہ کر بے اختیار اس کی نظر میری طرف اٹھ گئی۔
"اچھا اچھا' ٹھیک ہے--------- آپ اسے کب سے جانتے ہیں اور کب سے آپ کی سروس میں ہے؟ دراصل وہ اس وقت یہاں ہمارے پاس ہے........ نہیں

نہیں وہ مرا نہیں......... ابھی تک ٹھیک ٹھاک ہے۔" یہ کہہ کر طنزیہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری۔ "جی ہاں...... یہ آف دی ریکارڈ اطلاع ہے کہ گیلی ٹرنر قتل ہو چکی ہے لیکن اگر آپ نے ہماری اجازت کے بغیر ایک لفظ بھی چھاپنے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہو گا........کیا کہا؟ ذرا پھر سے کہنا مسٹر ریڈلف!" پولیس افسر کی آواز یک لخت بلند ہو گئی۔ مَیں جانتا تھا' ریڈلف نے کیا کہا ہو گا۔ وہ بتا رہا ہو گا کہ وہ مجھے تحفظ دے گا اور یہ کہ مَیں گیلی کا شوہر ہوں کوئی اور نہیں۔ اس لئے میرے ساتھ عام رپورٹر کا رویہ روا نہیں رکھا جا سکتا.......... "باس! میرا خیال ہے یہ فون آپ ہی کو سننا چاہئے۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور اپنے افسر ٹیگو کو پکڑا دیا۔

ٹیگو میرے ساتھ بات کرتے کرتے اچانک فقرہ ادھورا چھوڑ کر ٹیلی فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مَیں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ چند لمحوں کے لئے مصیبت ٹل گئی.......... دل چاہا کاش.......... ! ریڈلف انسپکٹر کو کچھ دیر باتوں میں لگائے رکھے تاکہ مَیں سوالات کی اس بوچھاڑ سے بچ سکوں لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا اور ان کی بات چیت جلد ختم ہو گئی۔

"بہت بہت شکریہ! مسٹر ریڈلف! ہم آپ کو جلد بتا دیں گے کہ آپ گیلی ٹرنر کے قتل کی خبر کب شائع کر سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا او میری طرف پلٹا۔ لمبا سب انسپکٹر بھی میری جانب متوجہ ہو گیا۔ ان کی نظروں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ ٹیگو نے کرسی میرے قریب گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "تم نے اسے قتل نہیں کیا؟ کیا یہ درست ہے کہ تمہارے بیان کے مطابق وہ تمہاری بیوی تھی؟"

"ہاں۔" مَیں اتنا ہی کہہ سکا۔

"اتنی بڑی بات تم نے پہلے کیوں نہ بتائی؟" انسپکٹر نے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ بات اتنی اہم بھی نہیں۔" مَیں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا۔

اس پر دونوں نے قہقہہ لگایا۔ وہ دیر تک ہنستے اور میرا مذاق اڑاتے رہے۔

"تم یہاں اسی لئے تو آئے تھے کہ وہ تمہاری بیوی تھی اور اب کسی اور بہت

امیر آدمی سے شادی کرنے والی تھی۔ تم اس سے اپنی خاموشی اور علیحدگی کی قیمت وصول کرنے آئے تھے۔ یہ درست ہے نا؟"

"جب میں یہاں پہنچا تو وہ پہلے سے مری پڑی تھی۔" میری آواز اتنی مریل اور خالی خالی سی تھی کہ خود مجھے اجنبی سی لگی جیسے کوئی اور بول رہا ہو۔

اتنے میں وہی پلا مُوا سوّر بولا۔ جس نے مجھے بھاگتے ہوئے دبوچا تھا۔

"اور جب یہ قتل کرکے بھاگنے کی فکر میں تھا تو مَیں نے جا لیا ورنہ یہ نکل چکا ہوتا۔ اس وقت تک مِس ٹرنر کا بدن ابھی گرم تھا۔ جس کا مطلب صاف ہے کہ قاتل اس کے سوا کوئی نہیں۔"

"کیا کسی اور قسم کی آواز بھی آپ نے سنی تھی مسٹر؟" ٹیگو نے اب اس سے دریافت کیا۔

"ہاں! کچھ سنا تو تھا لیکن وہ کیسی آواز تھی یہ مَیں کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

"اگر یہ شخص قاتل نہیں تو سویٹ میں دوسرے فرد اس وقت تم ہی تھے۔" لمبے سب انسپکٹر کو مزید مذاق سوجھا۔

یہ سن کر ایک لمحے کے لئے گیلی کے گارڈ کا رنگ بدل گیا لیکن پھر مذاق سمجھتے ہوئے مطمئن ہو گیا۔ لمبے آدمی نے مجھ سے کہا۔

"کیا تم ہمیں سچ سچ سب کچھ بتانا پسند کرو گے؟"

"جی ہاں جناب! مَیں پہلے ہی بتا چکا ہوں"۔ یہ کہہ کر مَیں خاموش ہُوا ہی تھا کہ قطعی غیر متوقع طور پر چمڑے کے دستانے والا ایک زبردست گھونسا میرے جبڑے پر پڑا، ساتھ ہی ٹیگو کی آواز کان میں آئی۔

"میرا خیال ہے تم ہمیں ٹھیک ٹھیک بتا دو تو بہتر ہے۔"

میرے نتھنوں سے سانس کے ساتھ عجیب سیٹیاں سی بجنے لگیں اور خون کا فوراہ ناک سے اُبلنے لگا۔ یکے بعد دیگرے تین چار گھونسے مزید پڑ گئے۔ اب لمبو نے مجھے پکڑ کر بے بس کر رکھا تھا اور انسپکٹر ٹیگو میری ٹھکائی کر رہا تھا۔ ہوٹل کا وہ ڈنڈا برادر

ملازم اب مجھے ترحّم آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے آہستہ سے کچھ کہا جسے میرے سوا کسی نے قابلِ غور نہ سمجھا۔

"بیٹا! ذرا صبر سے کام لو"۔ یہ جملہ اس نے ٹیگو سے کہا لیکن کسی نے کان نہ دھرا۔ پھر وہ ذرا اونچی آواز میں بولا۔ "سر یہ قالین ہوٹل کی پراپرٹی ہے اور خون کے دھبے قالین پر آسانی سے صاف نہیں ہوتے۔"

دراصل مَیں محسوس کر رہا تھا کہ وہ میرے لئے افسردہ اور ملول سا ہے اور مجھے تکلیف سے بچانے کے لئے یہ بے کار سا بہانہ کر رہا ہے۔ مجھ پر گھونسوں کی بارش ابھی جاری تھی کہ اچانک کوئی کمرے میں داخل ہُوا۔ سب کی توجہ یکدم اُدھر ہو گئی۔

آگے آگے ایک طویل قامت پُروقار آدمی تھا' جسے شاید مَیں پہلے بھی کہیں دیکھ چکا تھا۔ اس کے عقب میں دو آدمی اور تھے۔ اس نے آتے ہی بلند آواز میں اس طاقتور نوجوان سے پوچھا جس نے پہلے پہل مجھے پکڑا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور یہ تم نے کیا ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے۔" نو وارد کا نام ڈویٹ فل وُڈ تھرڈ تھا۔ سبھی یہاں اسے جانتے پہچانتے تھے۔ وہ گیلی ٹرنر کے ہونے والے شوہر کا باپ تھا۔ اس کے سیکرٹری نے میری طرف اشارہ کیا اور مختصراً" سب کچھ بتا دیا۔ فل وُڈ سمیت اب سب کی نظریں مجھ پر گڑی تھیں جیسے مَیں ابھی ابھی کسی جنگل سے لایا گیا کوئی انوکھا جانور ہوں۔ فل وُڈ نے پوری بات غور سے سنی اور ٹیگو سے ڈپٹ کر کہا۔

"سنو' یہ تمہارا پولیس اسٹیشن نہیں' سمجھے!" ٹیگو سے اس لہجے میں یہ جملہ فل وُڈ کی حیثیت کا آدمی ہی کہہ سکتا تھا۔ ٹیگو نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بھیگی بلی بنتے ہوئے بڑی نرمی سے کہا۔ "اسے پولیس اسٹیشن لے چلو! چلو چلو دیکھ کیا رہے ہو؟ ہو سکتا ہے کیپٹن لاریگان اسے دیکھنا چاہے۔"

لاریگان کا نام سن کر میرے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ مَیں جانتا تھا کہ لاریگان وہ شخص ہے جو بڑے فخر سے دعویٰ کرتا ہے کہ دیواریں بھی اس کے سامنے

اقبالِ جرم کر لیتی ہیں۔ بڑے بڑے بدمعاشوں کی ہڈی پسلی ایک کر دیتا ہے۔ چند دن کیا چند گھنٹوں میں ان کی چیں بول جاتی ہے۔ لاریگان کے ساتھی اسے فولادی شکنجہ کہتے تھے۔ اس کا شکار یا تو اقبال جرم کر لیتا یا سِسک سِسک کر دم دے دیتا لیکن ایسا شاذو نادر ہی ہوتا کیونکہ اتنی ہولناک اور تکلیف دہ موت مرنے سے بہرحال اقبالِ جرم ہی بہتر راستہ نظر آتا تھا مگر لاریگان کے ہاتھوں سے بچ نکلنا ممکن نہ تھا۔ اس پر مصیبت یہ کہ اس عرصے میں وہ بڑے سے بڑے وکیل کو ملزم کے پاس پھٹکنے نہ دیتا۔ مَیں گویا کسی آدم خور بِلا کے پنجے میں پھنسنے ہی والا تھا۔ اپنا خوفناک انجام میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اس تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ سب لوگ مجھے کوئی عجوبۂ روزگار شے سمجھ کر دیکھ رہے تھے۔

"اوکے! تم اسے لے جا سکتے ہو"۔ یہ کہہ کی ڈویٹ فل موڈ نے بھی گویا میری موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے اور واپس چلا گیا۔

"چلو بدمعاش، اب چلو"! ٹیگو نے میرے پیروں پر بوٹ کی ٹھوکر مار کر کہا اور سب چل دیئے۔

جہاں مجھے لایا گیا وہ ایک بڑا سا مستطیل کمرہ تھا۔ ایک طرف بہت بڑی کھڑکی تھی۔ دوسری لمبی دیوار کے ساتھ ساتھ آفس میزیں لگی ہوئی تھیں۔ میزوں کے آگے سٹیل کی کرسیاں پڑی تھیں۔ مجھے ایک چھوٹی سی میز کے سامنے لے جایا گیا۔ اس کے چاروں طرف سگریٹوں سے جلنے کے نشان نمایاں تھے۔ میز کے پیچھے ایک شخص بیٹھا تھا۔ جس کی جیکٹ کرسی پر لٹک رہی تھی اور شانوں پر کیپٹن کے سٹارز چمک رہے تھے۔ مَیں نے ڈرتے ڈرتے اس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی جرأت کی۔ کرخت، مضبوط اور چوکور چہرہ، آنکھیں نیم وا، سر کے بال قدرے چھدرے سے، آستینوں کے کف اوپر چڑھا رکھے تھے اور بالوں سے بھرے بڑے بڑے تگڑے بازو کسی بن بانس کے بازو لگ رہے تھے۔ ان کے آگے بیلچے جیسے طاقتور ہاتھ نظر آ رہے تھے۔ یقیناً وہ کوئی رحم دل انسان ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا جیسے فلم میں کوئی ولن کسی اہم مہم میں کودنے سے پہلے حریفوں کو دیکھتا ہے۔ اس کے ہونٹ سختی سے

بھنچ گئے، چہرہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا دکھائی دینے لگا۔ ایک لمبا سانس سینے میں بھر کر میرے ساتھ آنے والے سب انسپکٹر لمو سے مخاطب ہُوا۔

"تو یہ ہے وہ؟"

"جی ہاں۔" اُس نے جواب دیا۔

"ٹھیک!" یہ کہہ کر وہ اپنی کرسی پر گھوم گیا اور دونوں ہاتھ میز پر مار کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس کا قد بھی چھ فٹ سے نکلتا ہُوا تھا۔ اُس نے میرے عقب میں کسی سے کہا "اب تم جا سکتی ہو بلی!" ایک عورت جسے پہلے میں نے نہیں دیکھا تھا، سائے کی طرح چپ چاپ سامنے دروازے سے نکل گئی۔

OOO
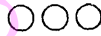
لاریگان اُٹھ کر میری طرف آیا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا "تم سخت مصیبت میں پھنس گئے ہو .... جس سے نجات پانا آسان نہیں ہے .... سمجھے؟ لیکن مَیں اور تم ابھی ایک لمبی گفتگو کریں گے۔ پھر دیکھیں گے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟" یہ جملے اس نے مشینی انداز میں کہے اور مجھے گھورنے لگا۔

"مَیں کسی وکیل سے ملنا چاہتا ہوں۔" مَیں نے کھسیاتے ہوئے کہا۔

"یہ سب اپنے مناسب وقت پر ہو گا۔" اُس نے غرا کر کہا۔

"لیکن مَیں اس کا قانونی حق رکھتا ہوں۔" مَیں نے احتجاج کیا۔

لاریگان نے کسی درندے کی طرح دانت نکال دیئے۔ پھر اس نے مجھے کالر سے پکڑ کر پھرکی کی طرح گھما دیا۔ "تم کوئی حق نہیں رکھتے جب تک میری تحویل میں ہو، سمجھے!"

"لیکن مَیں پھر بھی ایک مرتبہ ------" مَیں نے اصرار کرنا چاہا تو اتنا زوردار گھونسا میرے پیٹ میں لگا کہ مَیں تڑپ کر رہ گیا اور سانس لینے کی کوشش میں گھٹنوں کے بل گِرا۔ "اب اٹھ جاؤ، فوراً اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ" اور یہ کہتے ہی

اس نے ایسی زور دار ٹھوکر میری پیٹھ پر ماری کہ میری چیخ نکل گئی۔ ”مجھ سے بات کرو گے یا کسی اور سے؟“

مجھے کمرے میں کسی کے رونے کی آواز آئی اور اچانک انکشاف ہوا کہ یہ میں ہی تو تھا۔ میرا بے بسی سے منہ کھلا تھا اور چہرہ پسینے سے شرابور۔

”اسے کرسی پر بٹھاؤ اور ذرا ہوش دلاؤ۔“

لاریگان نے کسی کو حکم دیا۔ مجھے کرسی پر بٹھایا گیا۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے گئے تو میرے حواس ذرا بجا ہوئے۔

”یہ تم نے ہلکا سا نمونہ دیکھا ہے اس کا، جو کچھ ہم کر سکتے ہیں؟“ وہ وحشیانہ انداز میں مسکرایا۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک چھوٹا سا آدمی اندر آیا۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر یوں کھڑا ہو گیا جیسے کوئی مجسمہ ہو۔ چھوٹے آدمی نے آتے ہی لاریگان سے کہا۔

”یہ میرا کلائنٹ ہے جسے تم پیٹ رہے ہو۔“ آنے والے نے گرے سوٹ اور گرے ہیٹ پہن رکھا تھا۔ لاریگان نے جھلا کر اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور ڈپٹ کر بولا۔ ”تمہیں اندر کس نے گھسنے دیا؟ فوراً یہاں سے نکل جاؤ جسے دیکھو منہ اُٹھا کر آجاتا ہے۔ اپنی حد میں رہو تم لوگ۔ بس اب چل دو یہاں سے ورنہ تم مجھے جانتے ہو کہ میں کیسا آدمی ہوں۔“

”مَیں نہیں جاؤں گا کیونکہ میں میسن کا وکیل ہوں۔“ اس نے بھی تیز ہو کر جواب دیا۔ ”اور یہ شخص ٹروپر گواہ کی حیثیت سے میرے ساتھ آیا ہے۔ تم میرے کلائنٹ کے ساتھ غیر قانونی مارپیٹ کررہے ہو۔ تم میسن کو چھوڑتے ہو یا نہیں؟ ویسے بھی مَیں آدھ گھنٹے کے اندر اندر اس کی ضمانت کرالوں گا۔ سمجھے تم؟“

لاریگان اسے شعلہ بار نظروں سے گھورتا رہا۔ وکیل نے اپنی تقریر جاری رکھی۔

”اور اگر تم اسے چھوڑ دو تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ جہاں اور جس جگہ اسے

طلب کیا جائے گا' یہ وہاں پہنچ جائے گا۔ مجھے تم اچھی طرح جانتے ہو اور مَیں تمہیں اچھی طرح۔ مَیں اپنے کلائنٹ کو چھڑائے بنا نہیں جاتا اور اگر اب تم نے اسے انگلی بھی لگائی تو مَیں تم سے بھی نپٹ لوں گا۔ وہ لمبو سپاہی جو مجھے ہوٹل کموڈور سے یہاں لایا تھا' وکیل کی یہ دھمکی سن کر ہنسنے اور سیٹی بجانے لگا۔ لاریگان کو تاؤ آیا۔ "تم تو دفعان ہو جاؤ یہاں سے! بات بات پر دانت دکھانا شروع کر دیتے ہو۔"

وہ فوراً کھسک گیا۔ وکیل نے کہا۔ "بولو تم اسے چھوڑتے ہو یا نہیں۔"

"اچھا اچھا! سن لیا"۔ لاریگان چلایا"تم اسے لے جا سکتے ہو لیکن اسے سنبھال کر رکھنا مَیں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ اتنے ثبوت لے آؤں گا اس کے خلاف کہ برقی کرسی پر اس کا کوئلہ بنوا دوں گا۔"

"بے شک مجھے تم جیسے سفاک شخص سے یہی توقع ہے کہ بے گناہوں کو سزا دلوانے میں تم سے بڑا ماہر اور کوئی نہیں۔" وکیل نے طنزیہ کہا۔ پھر اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا"مسٹر تیار ہو چلنے کے لئے؟"

مَیں صرف اثبات میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

"اچھا تو چلو اٹھو!" مجھ میں جانے کہاں سے اتنی جان آ گئی کہ فوراً اُٹھ کھڑا ہُوا اور وکیل کے ساتھ تیز تیز چلتا ہُوا باہر آ گیا۔ ہمارے پیچھے پیچھے وہ گواہ بھی تھا۔ باہر برف کی چادر پر سیاہ رنگ کی ایک شاندار کار ہمارا انتظار کر رہی تھی۔

"چلو کار میں بیٹھو۔" یہ کہہ کر وکیل سرکاری آدمی سے ہاتھ ملانے کے لئے رکا اور مَیں نے اسے کہتے سنا۔ "شکریہ مسٹر پرچیز اسے رخصت کر کے وکیل بھی کار میں آ گیا۔ مَیں نے پوچھا۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"وہیں جہاں تم رہتے ہو"۔ وکیل نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ کون ہیں اور آپ کو کس نے بھیجا ہے؟"

"میرا نام کارلٹن پرچیز ہے اور میں سپیشل کریمنل وکیل ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مَیں بہت اچھا وکیل ہوں اور اس لئے لاریگان مجھے پسند نہیں کرتا۔ مَیں اس کا شکار

اکثر اس کے منہ سے چھین لیا کرتا ہوں۔"

"لیکن میرے لئے آپ نے کیسے زحمت......." مَیں نے ابھی جملہ پورا نہ کیا تھا کہ اس نے بات کاٹ کر کہا۔

"ریڈلف بوئی نے مجھے فون کیا تھا کہ تم اس طرح پکڑے گئے ہو۔ باقی سب مَیں نے خود ہی کیا۔"

کار میری رہائشی بلڈنگ کے سامنے رکی۔ اس وقت رات ہوچکی تھی۔ یہ بلڈنگ کئی چھوٹے چھوٹے فلیٹوں اور سنگل کمروں پر مشتمل تھی۔ یہاں زیادہ تر میرے جیسے اکیلے اور پریشان حال لوگوں کا ٹھکانہ تھا۔ لابی ویران پڑی تھی۔ ایک چھوٹا سا بلب ٹمٹما رہا تھا۔ جونہی میں کوریڈور میں داخل ہُوا مجھے اپنے عقب میں مسٹر کارلٹن کی کار دوبارہ اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی لیکن مَیں نے مڑ کر اسے واپس جاتے ہوئے دیکھنے کی زحمت نہ کی۔ میری ایک ایک ہڈی فریاد کر رہی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ جا کر بستر پر گر جاؤں اور اپنے دُکھتے ہوئے جسم کو آرام دے سکوں۔ بہرحال مَیں کارلٹن اور مسٹر ریڈلف بوئی کا دل سے شکرگزار تھا، جنھوں نے مجھے اس جہنم سے عارضی طور پر نجات دلائی تھی۔ خصوصاً لاریگان کے خونی پنجے سے۔ لیکن دکھ کا پہلو اِس میں یہ تھا کہ ان لوگوں نے مجھے بے گناہ سمجھ کر نہیں چھڑایا تھا۔ ریڈلف نے میری خاطر اس لئے رقم خرچ اور اتنا اہتمام کیا کہ مَیں بہرحال جیسا بھی تھا اس کے اخبار کا رپورٹر تھا۔ وہ مجھے نہیں اپنے اصول، اپنے پیشے اور اپنی نیک نامی کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ مجھے بے گناہ سمجھ نہیں رہا تھا، جیسا کہ کارلٹن نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

دوسری منزل کی سیڑھیاں چڑھ کر مَیں اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے آیا تھا۔ مَیں نے جیب سے کنجی نکالی دروازہ کھولا اور اسے دھکیل کر اندر داخل ہُوا۔ سامنے سڑک پر کسی نیون سائن کی تیز رنگ برنگی روشنیوں کی شعاعین باری باری کمرے میں آ رہی تھیں۔ شاید مَیں کھڑکی کھلی چھوڑ گیا تھا۔ مَیں جلدی سے غسل خانے کی طرف بڑھا کہ گرم گرم پانی سے چہرے پر ٹکور کروں دفعتاً" مجھے احساس ہُوا کہ مَیں کمرے میں تنہا نہیں ہوں۔ مَیں نے بڑھتے ہوئے قدم روک لئے۔ کیا دیکھتا ہوں

کہ کوئی شخص کرسی پر بیٹھا مجھے غور سے دیکھ رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔
"آیئے مسٹر میسن آیئے یہاں میرے پاس بیٹھ جایئے۔" میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ گویا آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا یعنی یہاں بھی مصیبت موجود ہے۔ بے اختیار میری نظریں اس کے ہاتھوں پر پڑیں شاید میرے استقبال کے لئے اس کے پاس بھرا ہُوا ریوالور ہو لیکن یہ دیکھ کر کچھ اطمینان ہُوا کہ اُس کے ہاتھ میں ریوالور کے بجائے سلگتا ہُوا سگریٹ تھا۔

مَیں نے پوچھا ۔۔۔۔۔۔ "تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟ کیا تم بھی پولیس کے آدمی ہو؟" مجھے اپنی آواز لرزتی محسوس ہوئی۔ اس نے جواب دیئے بغیر ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ جلا دیا اور بڑی گہری نظروں سے مجھے دیکھا۔ اب تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ مَیں نے سختی سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"نکل جاؤ یہاں سے! تم کس کی اجازت سے میرے کمرے میں گھسے بیٹھے ہو؟" نیون سائن کی پیلی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ بہت مطمئن اور پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ سگریٹ کی راکھ جھاڑ کر وہ بڑے تحمل سے بولا۔

"مَیں یہاں چوری چھپے نہیں آیا۔ میں جب یہاں تم سے ملنے آیا تو کچھ لوگ پہلے سے تمہارے کمرے میں موجود تھے۔ وہ تو چلے گئے لیکن مَیں تمہارا انتظار کرتا رہا۔ مَیں تمہارا دشمن ہرگز نہیں۔"

اس کی بات سن کر مَیں نے کرسی گھسیٹی اور اس کے قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے لب پھر جنبش میں آئے۔ "میرا نام کونٹین ہے۔ مَیں پرائیویٹ جاسوس ہوں......" اُس کا لہجہ شائستہ اور آواز نرم تھی۔ چہرے کے نقوش خاصے زنانہ قسم کے تھے۔ بظاہر بے پروائی ہی سے مَیں نے کہا۔

"ہاں' ہاں سن رکھا ہے مَیں نے تمہارا نام۔"

"مَیں بھی اتفاق سے ہوٹل کموڈور میں ٹھہرا ہُوا ہوں اور مجھے گیلی ٹرنر کے قتل کا سراغ لگانے کے لئے کہا گیا ہے۔" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کس نے بک کیا ہے؟" مَیں نے پوچھا۔

اُس نے میری بات کا جواب دیئے بغیر کہنا شروع کیا۔ ''جونہی میری خدمات حاصل کی گئیں مَیں سب سے پہلے تمہارے کمرے میں پہنچا۔ مجھے خدشہ تھا کہ پولیس تمہاری غیر موجودگی میں کمرے کی تلاشی لے کر کمرے کو درہم برہم کر چکی ہو گی۔ وہ ثبوت جو مجھے درکار ہو سکتے ہیں وہ یا تو ضائع ہو جائیں گے یا پولیس لے اڑے گی۔ اس لئے مَیں یہاں جلد سے جلد پہنچا لیکن ابھی دروازے ہی پر تھا کہ ایک شخص تیزی سے باہر نکلا اور یہ جا وہ جا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے جو اس سے پہلے نکل چکے تھے۔ اندر داخل ہو کر مَیں نے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا تو معلوم ہُوا کہ وہ شخص تمہارے سائیڈ بورڈ کی درازیں کھولتا رہا ہے۔ مَیں نے آگے بڑھ کر اوپری دراز میں جھانکا تو مجھے وہاں گولیوں کا ایک ڈبہ ملا.......... یہ دیکھ کر میری رگ رگ میں خوف کپکپی بن کر دوڑنے لگا۔'' وہ کہے جا رہا تھا۔

''اس ڈبے پر مجھے سپلائر کا نام کہیں نظر نہ آیا۔ نام کسی چیز سے کھرچ دیا گیا تھا۔ نام کھرچ دینے کا مطلب ظاہر تھا کہ تمہاری طرف سے کسی قسم کی احتیاط برتی جا رہی ہے لیکن اس احتیاط کے ساتھ ڈبے کو معمولی جگہ پر رکھ دینا بھی حیرت انگیز تھا۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ اس میں سے چھ گولیاں کم تھیں۔''

''تو کیا یہ ویسی ہی گولیاں تھیں جن سے گیلی کا قتل ہُوا؟'' مَیں نے بے صبری سے بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بالکل وہی اڑتیس بور کے ریوالور کی اور اسی ساخت کی۔ مقتولہ کے سرہانے جو ریوالور پایا گیا اس میں یہی گولیاں تھیں۔'' اس نے جواب دیا۔ میرے ہاتھ کانپنے لگے۔ مَیں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا۔

''مَیں ان گولیوں اور ریوالور کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ مَیں بے گناہ ہوں...... بے گناہ ہوں''۔ اس نے میرے جذبات سے متاثر ہوئے بغیر بات جاری رکھی۔

''اس کے بعد تم جانتے ہو کہ کیا ہُوا ہو گا؟'' اُس نے پوچھا۔

''ہاں' مَیں جانتا ہوں۔ٹیگو یہاں آیا اُس نے گولیوں کا ڈبہ اٹھایا اور ساتھ لے

گیا۔ اب جلد ہی کیپٹن لاریگان آنے والا ہو گا اور مجھے دوبارہ پکڑ کرلے جائے گا۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے چھوڑے گا نہیں، میرا بھرتہ بنا دے گا۔ ہاں وہ ایسا ہی کرے گا۔" مَیں ایک معصوم بچے کی طرح آنکھوں پہ ہاتھ رکھے بِلک بِلک کر رو رہا تھا اور میرا بدن شدتِ جذبات سے تنکے کی طرح لرز رہا تھا۔ کونٹین نے ایسا کچھ کہا کہ یک وقت میرے چہرے سے ہاتھ ہٹ گئے اور رونا تھم گیا۔

"بالکل درست اندازہ لگایا تم نے۔ ٹیگو یہاں آیا' اس نے دراز کھول کر جھانکا جیسے کسی نے پہلے سے اسے گولیوں کا بتا رکھا ہو...... لیکن .... اسے وہ ڈبہ وہاں نہ مل سکا۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو!" مَیں نے حیرت سے پوچھا۔

"مَیں یہ کہہ رہا ہوں۔" کہہ کر اس نے گولیوں کا ڈبہ نکالا اور میز پر الٹ دیا۔

"ٹیگو سے پہلے یہ ڈبہ میرے قبضے میں آ چکا تھا۔"

مَیں حیرت سے میز پر بکھری ان گولیوں کو دیکھ رہا تھا۔ تب مَیں نے کمرے میں اُبھرتی ہوئی ایک نحیف و نزار آواز سنی۔

"آخر تم کس کی طرف سے ہو؟" یہ آواز میری اپنی تھی۔

کونٹین نے گولیاں بڑے اطمینان سے واپس ڈبے میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"میری خدمات پرائیویٹ طور پر قتل کا سراغ لگانے کے لئے حاصل کی گئی ہیں۔ مجھے صرف حقائق معلوم کرنے ہیں۔ میری کسی سے دوستی یا دشمنی نہیں۔ میری دوستی صرف عدل و انصاف سے ہے۔ مَیں اس وقت یہ نہیں کہہ سکتا کہ قاتل تم ہو' اس لئے تمہیں اپنے بارے میں مجھے سب کچھ کھل کر بتا دینا ہو گا"۔ تب مَیں نے شروع سے آخر تک اسے بھی سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ جسے سن کر اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے میری بات پر کچھ کچھ یقین ہو۔ یہ میرے لئے ایک اطمینان بخش بات تھی۔

"ہونہہ! تو یہ بات ہے!۔" وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر کتنی دیر اسی طرح گُم سُم رہنے کے بعد بولا۔

"تمہیں کوریڈور سے نکلتے ہوئے صرف گیلی ٹرنر کے سیکرٹری یا باڈی گارڈ نیجل

نے دیکھا اور پکڑ لیا۔ اس کے بعد اس نے مِس گیلی ٹرنر کے کمرے میں جھانک کر دیکھا اور اسے مردہ پایا۔ پھر پولیس کو فون کیا اور تم دھر لئے گئے۔ اس تمام عرصے میں ہوٹل کی مینجمنٹ میں بہت گڑبڑ ہوئی۔ مَیں ہوٹل کموڈور میں ٹھہرا ہُوا تھا۔ مجھے مینجر نے بلایا اور اس قتل کا سراغ لگانے کی درخواست کی۔۔۔۔۔۔۔۔ میں ابھی منیجر کے پاس بیٹھا ہُوا تھا کہ ایک خوبصورت نوجوان اندر آیا۔ منیجر نے جونہی میرا تعارف اس سے کرایا' اس نے نوٹوں کا ایک بڑا بنڈل میری طرف بڑھایا کہ مَیں اس قتل کا سراغ جلد سے جلد لگانے کی کوشش کروں۔ یہ گیلی کا منگیتر لیفل وُڈ تھا۔ مَیں نے اس کی رقم شکریئے کے ساتھ لوٹا دی۔ نوٹوں سے میری کارکردگی متاثر ہو سکتی تھی۔ منیجر کے پاس سے اُٹھ کر مَیں ایک نظر موقع واردات دیکھنے گیا۔ گیلی کے بازو پر سے خون کی ایک دھار کندھے سے لے کر ہاتھ کے انگوٹھے تک بہہ کر آئی ہوئی تھی اور وہیں جم چکی تھی۔ اسی کلائی پر بندھی گھڑی کا شیشہ چکناچور تھا اور سوئیاں ایک خاص وقت پر رک چکی تھیں' حالانکہ یہ غیر فطری سی بات تھی۔ جب گیلی کے کندھے پر سے خون کی دھار بہہ کر کلائی تک آئی تو اسے یقیناً گھڑی کے فیتے تک آ کر رک جانا چاہئے تھا اور فیتے کے ساتھ ساتھ پوری کلائی پر چوڑی کی طرح گھوم جانا چاہئے تھا۔ گھڑی کے کسے ہوئے فیتے کے نیچے سے نکل کر انگوٹھے تک آ جانا ایک ناممکن بات تھی۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ گھڑی جو واردات کے وقت ہاتھا پائی کے دوران ٹوٹ کر پرے جا گری تھی' وہ واردات کے کچھ دیر بعد دوبارہ کلائی پر باندھی گئی اور سوئیوں کی اپنی پسند کے وقت پر ٹھہرایا گیا تھا۔ ظاہر ہے اس وقت تم پولیس کی حراست میں تھے۔ یہ حرکت تمہاری نہیں ہو سکتی۔"

"اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد جب ہم دوبارہ لاش کا معائنہ کرنے لگے تو مَیں نے دیکھا کہ کسی نے کمال ہوشیاری سے گیلی کی گھڑی سے لے کر انگوٹھے تک بہہ جانے والا خون صاف کر دیا ہے۔ گویا یہ نکتہ کسی اور کی سمجھ میں بھی آ گیا تھا جو تمہیں ہر صورت موت کی سزا دلوانا چاہتا ہے۔

"یہاں ہم یہ بات نظرانداز نہیں کر سکتے کہ گیلی کا سیکرٹری اس فل موڈ فیملی

سے بہت عرصے سے منسلک ہے اور پہلے ڈویٹ فل وُڈ کے آفس میں کام کرتا تھا۔ ممکن ہے کوئی پرانا انتقام یا نفرت اس کے دل میں پرورش پا رہی ہو جس نے اب قتل کا روپ دھار لیا ہو۔ یہ بھی عین ممکن ہے کوئی تیسرا شخص ہو جو تھوڑی دیر کے لئے نیجل کو ڈیوٹی سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا ہو اور اس نے مہلت پاتے ہی گیلی کو قتل کر دیا ہو۔ ایسی صورت میں یہ کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے یعنی کوئی خاتون دوست وغیرہ۔ اب ہمیں انہی خطوط پر تحقیق کو آگے بڑھانا ہو گا۔ یعنی نیجل کی کوئی ایسی دلچسپی تلاش کرنا ہو گی جو اسے کچھ دیر کے لئے فرض سے غافل کر سکتی ہو۔ چلو اُٹھو فوراً ہمیں دوبارہ ہوٹل جانا ہو گا۔" یہ کہہ کر کونٹین اُٹھ کھڑا ہُوا۔ کچھ ہی دیر بعد ہم دوبارہ ہوٹل کموڈور میں داخل ہو رہے تھے۔

سب لوگ مجھے عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے لیکن کسی نے میرے ساتھ کوئی بات کرنے کی جرأت نہ کی۔ شاید اس لئے کہ مَیں اس وقت ایک معزز شخصیت کے ہمراہ تھا۔ کونٹین نے سب سے پہلے کاؤنٹر سے یہ معلوم کیا کہ نیجل کسی وقت وقوعہ کے روز یا پہلے باہر گیا تھا۔ جواب ملا کہ نیجل گیلی کے بغیر اکیلے ایک لمحے کے لئے ہوٹل سے باہر نہیں گیا۔ اس کے بعد کونٹین نے چھوٹے اسٹاف سے فرداً فرداً انٹرویو کئے اور مَیں آنے والے حالات پر غور کرتا رہا۔

دفعتہً کونٹین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مَیں یہ اطلاع حاصل کرنے میں کامیاب رہا ہوں کہ نیجل کو واردات سے ایک دن پہلے اسی ہوٹل میں ٹھہری ایک دوسری خاتون کے کمرے میں دیکھا گیا تھا۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" مَیں نے تقریباً مایوس ہو کر کہا۔

"اس سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ اتنا بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے گھڑی دیکھی رات کا ایک بج رہا تھا۔

"یہ وقت اگرچہ کسی سے ملنے کا نہیں لیکن ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔"

ہم نے جلد جلد ہال کمرہ عبور کیا اور لفٹ میں داخل ہو گئے۔ لفٹ سے نکل

کرکوئنٹین نے کمرہ نمبر تین سو ایف کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔
کمرے سے ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز آ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔
ایک ڈری سہمی سی سرخ بالوں والی لڑکی شب خوابی کا لباس پہنے ہمارے سامنے کھڑی تھی۔ وہ بڑے محتاط انداز سے دروازے کے درمیان کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود پردے کے پیچھے دو مردانہ بوٹوں کی جھلک نظر آ ہی گئی لیکن کوئنٹین نے ایسا ظاہر کیا جیسے کچھ دیکھا ہی نہ ہو۔ وہ آہستگی سے بولا۔

"مِس ہوپ کرک! میرا نام کوئنٹین ہے اور مَیں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن اس وقت نہیں۔" لڑکی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اسی وقت بات کرنا بہت ضروری ہے مِس ہوپ کرک!" کوئنٹین نے اصرار کیا جس پر لڑکی نے دروازہ بند کرنا شروع کر دیا۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ہمیں چلے جانے کی درخواست کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں، مسٹر پلیز! مَیں نے کہہ دیا ناکہ اس وقت نہیں، صبح آیئے۔" اور کھٹ سے دروازہ بند کر لیا۔

مَیں نے کوئنٹین سے کہا۔ "مجھے یوں لگا کہ اس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا۔"

"یقیناً تھا۔" اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ نیجل ہو۔" مَیں نے اندازے سے کہا۔

"نہیں! یہ نیجل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ڈویٹ فل وُڈ کے ساتھ ہی ہوٹل چھوڑ گیا تھا۔ جب گیلی کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے لے جائی گئی تھی اور اس کے بعد سے اب تک دوبارہ ہوٹل میں نہیں آیا۔ کوئنٹین نے [illegible] کا حوالہ دیا اور آگے بڑھنے لگا اور قریب رکھے ہوئے ٹیلی فون پر آپریٹر سے کہا۔ "کمرہ نمبر 300 ایف۔" اور ساتھ ہی گردن گھما کر پیچھے دیکھتا رہا جیسے اسے ہوپ کرک کے کمرے سے کسی کے آنے کی توقع ہو۔

"ہیلو ہیلو! مِس ہوپ کرک! آپ جانتی ہیں مَیں کون بول رہا ہوں اور کیا چاہتا

ہوں؟ ابھی ابھی مَیں نے آپ کے دروازے پر دستک دی تھی۔ صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ مِس کرک........" مَیں نے ریسیور میں سے کچھ آوازیں سنیں جو میری سمجھ میں نہیں آئیں۔

"مَیں آپ سے صرف مسٹر پیگل کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں' مِس ہوپ کرک! آپ بتانا پسند کریں گی؟" کونٹین نے پوچھا۔

"نہیں' نہیں۔" مَیں کونٹین کے پاس کھڑا اُدھر سے آنے والی آواز صاف سن رہا تھا۔ وہ بہت زور سے پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔ "نہیں...... نہیں خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ تم نہیں جانتے کہ میرے ساتھ کیا کر رہے ہو۔" اس کے ساتھ ہی ٹیلی فون بند کر دیا گیا۔

کونٹین ریسیور ہاتھ میں پکڑے کسی سوچ میں گم تھا۔ کئی منٹ گزر گئے۔ ہم دونوں خاموش کھڑے ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ دفعتاً کوریڈور میں سے منیجر کے چیخنے کی آواز آئی۔

"مسٹر کونٹین! کیا آپ نے ابھی ابھی مِس ہوپ کرک کو فون کیا تھا؟ نجانے کیا بات ہوئی کہ مِس ہوپ کرک نے کمرے کی کھڑکی سے کود کر خودکشی کر لی ہے۔"

کونٹین نے آگے کچھ سننے کی زحمت گوارا نہ کی اور وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ہوپ کرک کے کمرے کی طرف دوڑا۔ یہ دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ دروازہ جو مِس ہوپ کرک نے چند منٹ پہلے اندر سے لاک کر لیا تھا، اب کھلا پڑا تھا جبکہ اس دوران میں وہاں سے کوئی ذی روح گزر کر نہیں گیا تھا۔ کمرہ بالکل خالی اور کھڑکیوں کے پردے ہوا سے پھڑپھڑا رہے تھے۔ ہم نے کھڑکی میں سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ نیچے لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ ایک ایمبولنس فوری طور پر پہنچ گئی تھی جس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی برفیلی زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ جہاں مِس ہوپ کرک مردہ پڑی تھی اور سفید برف پر خون کے سرخ سرخ دھبے صاف نظر آ رہے تھے۔

ہم دونوں ہوپ کرک کے کمرے میں کھڑے اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہے تھے۔ ہمارے ذہنوں میں ایک ہی سوال اُبھر رہا تھا کہ چند منٹ پہلے جس شخص

بوٹ دروازے کے پیچھے ہم نے دیکھے تھے وہ آخر کہاں چلا گیا اور کس راستے سے گیا۔ باہر جانے کا واحد راستہ وہی تھا جہاں ہم ٹیلی فون کے پاس کھڑے تھے۔ دوسری بات یہ کہ مِس ہوپ کرک نے خود چھلانگ لگائی تھی یا اسے دھکا دیا گیا تھا۔ کوئنٹین کھڑکی کا جائزہ لے رہا تھا کہ اچانک مجھے ہاتھ کے اشارے سے بُلایا اور کھڑکی کے ساتھ ساتھ اس چھوٹے سے شیڈ کی طرف اشارہ کیا جو ایک بالکونی تک جا کر ختم ہو گیا تھا۔ بالکونی سے نیچے سڑھیاں اتر کر مین گیٹ تک جاتی تھیں۔ گویا کوئی بھی مضبوط اعصاب کا شخص اس ڈیڑھ فٹ چوڑے شیڈ پر سے گزر کر ہوٹل سے باہر جا سکتا تھا۔

شیڈ پر گری برف پر قدموں کے نشان دیکھے جا سکتے تھے۔ اچانک پولیس وین کا ہارن سنائی دیا۔ ہم نے چونک کر نیچے دیکھا تو لوگوں کا ہجوم اوپر کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا اور کچھ لوگ اشارے کرتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ فوراً اپنی غلطی کا احساس ہُوا کہ ہمیں فی الفور اس کمرے بلکہ ہوٹل ہی سے نکل جانا چاہئے۔ ورنہ ٹیگو اور لاریگان کے ہاتھوں سے بچ نکلنا مشکل ہو گا۔ ہم تیز تیز قدم اٹھاتے کمرے سے باہر آنے لگے لیکن یہ کیا؟.......... کوئنٹین دوڑ کر ٹیلی فون کی طرف لپکا اور اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اور پاس پڑے ہوئے پیڈ کے ورق الٹانا اور جھٹکنا شروع کر دیا۔ گھبراہٹ اور خوف کے مارے میرے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ پولیس کے آنے کا دھڑکا لگا ہُوا تھا۔ اتنے میں اس نے پیڈ کو زور سے جھٹکا دیا تو ایک کاغذ کا پرزہ نکل کر فرش پر گر پڑا جسے جھک کر جلدی سے اُس نے اٹھایا اور اونچی آواز سے پڑھنا شروع کر دیا اور "روز مارکو ــــــ گیارہ سو چودہ ٹلری ہائٹس اپر مین ہسن۔"

"مَیں تو چلا مسٹر کوئنٹین!" یہ کہہ کر مَیں تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اب مجھ میں رکنے کی تاب نہ تھی اور میرے پیچھے پیچھے کوئنٹین بھی آ رہا تھا۔ ہم جلدی سے سروس ایلیویٹر کی طرف بڑھے۔ "تمہاری فورڈ نیچے گیراج میں کھڑی ہے نا؟ جلدی چلو اور فورڈ نکالو۔"

نیچے پہنچ کر ہم دوڑتے ہوئے گیراج کی طرف لپکے۔ چاروں طرف نظر دوڑا کر مَیں نے اپنی گاڑی تلاش کی۔ کوئنٹین گیراج مین کی طرف بڑھا۔ اس سے کچھ بات چیت

کی اور مَیں اپنی ٹوٹی پھوٹی گاڑی اسٹارٹ کر کے ہوٹل سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
گاڑی کونٹین کی مرضی کے رخ پر چل پڑی' اور جب رکی تو سامنے بھورے پتھروں کا بنا ہوا گیارہ سو چودہ نمبر مکان تھا۔ ٹلری ہائٹس ہارلم۔

ہم گاڑی سے نکلے تو رات کے دو بجنے میں تین منٹ باقی تھے۔ بہت پرانے اور کئی منزلہ مکانوں کی لمبی سی قطار دور تک چلی گئی تھی۔ ہر عمارت کے مین گیٹ پر فلیٹ کے مالکان کے نام اور نمبر ترتیب وار لکھے ہوئے تھے اور ہر نام کے ساتھ اطلاعی گھنٹی کا بٹن تھا۔ مارکو کے نام والی گھنٹی پر کونٹین نے انگلی رکھ دی۔ کچھ دیر بعد چوتھی منزل کا دروازہ کھلا تو ہم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ گئے۔ دروازے میں گہرے براؤن بالوں اور آنکھوں والی دبلی پتلی عورت کھڑی تھی۔ وہ شاید کبھی خوبصورت رہی ہو' اب تو بہت پُراسرار سی لگ رہی تھی۔ اس نے سویٹر اور ڈھیلا ڈھالا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی بولی۔ "کون ہو تم؟ اور کیا چاہتے ہو اِس وقت؟"

"اگر آپ روز مارکو ہیں تو ہمیں آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔
کونٹین نے حسبِ معمول شائستگی سے کہا۔

"وہ تو مَیں ہوں لیکن بات کیا ہے؟"

"کیا آپ مِس ہوپ کرک کو جانتی ہیں؟" کونٹین نے پوچھا۔

"ہاں جانتی ہوں مگر اس بات کے پوچھنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" اُس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اس لئے کہ وہ مرچکی ہے۔" کونٹین نے جواب دیا۔

"وہ! اچھا تو؟ ــــــــ پھر؟" اس نے اس انداز سے کہا جیسے حیرت کی بات ہی نہ ہو۔

"ہمیں اس سلسلے میں آپ سے کچھ معلوم کرنا ہے۔"

"آپ پولیس کے آدمی تو نہیں لگتے۔ نہیں ناں؟"

ہم نے اس کے خیال کی تائید کی۔

"مَیں آپ کی کچھ مدد نہیں کر سکتی۔ سوری آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

اس نے رُکھائی سے جواب دیا۔

"ممکن ہے ہم آپ کی کچھ مدد کر سکیں۔" کوئنٹین نے نرمی سے کہا۔ روز مارکو نے غور سے کوئنٹین کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی اور پھر شاید کچھ سمجھتے ہوئے بولی۔ "خیر، مجھے کسی کی مدد کی ضرورت کیا ہو سکتی ہے؟ آپ کو جو کچھ پوچھنا ہے جلدی سے پوچھ لو۔ اس کے پیچھے پیچھے ہم کمرے میں داخل ہو گئے۔ کمرے میں پرانی طرز کا بوسیدہ فرنیچر تھا۔ ہم قریب قریب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ وہ سامنے دیوان پر اوپر ہو کر بیٹھ گئی۔ "ہاں تو آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

مَیں نے پہل کی۔ "دراصل مَیں ایک بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ اس لئے آپ جو کچھ بھی بتا سکتی ہوں بتا دیجئے۔"

"کیسی مصیبت؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ اس بار کوئنٹین نے جواب دیا۔ "اس سارے معاملے کا تعلق گیلی ٹرنر کے قتل سے ہے۔ یہ شخص اس کا ذمے دار ٹھہرایا جا رہا ہے۔"

"تو کیا گیلی مر گئی؟ کیا ہُوا تھا اسے؟" روز مارکو نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ گیلی کے بارے میں بھی آپ جانتی ہیں؟" کوئنٹین نے پوچھا۔

"ہاں جانتی ہوں۔ وہ میرے ساتھ کام کرتی رہی ہے۔ اس کا ستارہ چمکا اور وہ بہت اوپر جا پہنچی اور اب تو وہ رُیفل وُڈ جیسے امیر آدمی سے شادی کرنے والی تھی۔"

"اب وہ مر چکی ہے۔ یہ شخص وہاں اس وقت پہنچا جب وقوعہ ہو چکا تھا اور آج رات مِس ہوپ کرک بھی ہوٹل کموڈور میں ستر فٹ کی بلندی سے اپنے کمرے کی کھڑکی سے نیچے گر کر مر گئی۔ اس کے کمرے سے ٹیلی فون کے پاس رائٹنگ پیڈ میں سے خاتون آپ کا ایڈریس ملا۔ ہم گیلی کے بارے میں اس سے ملنا چاہتے تھے لیکن اب آپ سے مل رہے ہیں کہ شاید آپ ہی کچھ بتا سکیں۔" کوئنٹین نے بات ختم کی تو روز مارکو کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔ "کیا کہا؟ میرا نام ملا؟"

مَیں نے کہا۔ "محض ایک کاغذ کے پرزے پر لکھا ہُوا۔ ہم سمجھے شاید ہمیں ان

کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے؟"

اس کے چہرے کا رنگ بدل سا گیا۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ "میرا خیال ہے کہ ان دونوں نے فُل وُڈ کو کوئی انکار کیا ہو گا اور یہ ساری گیم اسی کی ہے۔"

"لیکن فُل وُڈ فیملی میں تو گیلی کی شادی ہو رہی تھی پھر ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ مِس مارکو؟" کونٹین نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مِس نہیں مسز کہو مسٹر! اور وہ میرا خاوند ابھی آنے والا ہو گا اور ہاں! تم غلطی پر ہو مسٹر کونٹین جو سمجھ رہے ہو کہ اگر گیلی کی شادی فل وُڈ فیملی میں ہونے والی تھی تو ڈویٹ فُل وُڈ کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ فل وُڈ اگرچہ بوڑھا ہے لیکن وہ خوبصورت اور جوان ماڈل گرلز بہت پسند کرتا ہے اور وہ دونوں جوان تھیں اور خوبصورت بھی۔ تم نہیں جانتے کہ یہ بڑے بڑے لوگ اندر سے کتنے چھوٹے۔۔۔ ہوتے ہیں۔ وہ قدم قدم پر ماڈل گرلز کی مجبوریوں کا استحصال کرتے ہیں۔ مَیں خود ان تمام مصیبتوں سے گزر چکی ہوں اور ان سے نباہ نہیں کر سکی۔ مَیں ایک معمولی قصاب سے شادی کر کے اس گھر میں آن بسی۔ مَیں جانتی ہوں کہ ماڈل گرلز کو بڑی بڑی پارٹیوں میں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں سے تعلقات بنانے اور بڑھانے کے لئے ہمیں سیڑھی بنایا جاتا ہے۔ فل وُڈ یا اس قسم کے سرمایہ دار ماڈل گرلز کو اپنی کھیتی سمجھنے لگتے ہیں۔ اگر ان سے کسی مرحلے پہ انکار ہو جائے تو انہیں اس دنیا سے رخصت کر دیا جاتا ہے۔ شاید ان دونوں کا انکار ان کی موت کا باعث بنا ہو۔" روز مارکو کی آنکھوں میں آنسو ٹپک رہے تھے اور وہ انہیں روکنے کی خاطر ہاتھوں کی انگلیاں بھینچ رہی تھی۔ "اور......... جونَو کہنے کی ہمت بھی نہیں رکھتی وہ میری طرح .... اس غربت کے عالم میں کسی چھوٹے سے فلیٹ میں پڑی سڑتی ملے گی' ایک قصاب شوہر کے ساتھ۔" یہ کہہ کر اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا اور ہم دونوں پریشان سے ہو گئے۔

"سوری مسز مارکو! ہمارا مقصد آپ کو تکلیف دینا نہیں تھا۔" کونٹین نے معذرت کی۔ "کیا آپ اس کے علاوہ کچھ بتانا پسند کریں گی۔" کونٹین نے پوچھا۔

وہ بولی۔ ”ہاں! ایک شخص اور ایسا ہے جو آپ کو شاید کچھ بتا سکے‘ فل وُڈز کے متعلق۔ وہ ان کا پرانا اکاؤنٹنٹ تھا۔ جیمسن جو آج کل دو سو چار مونومنٹ سٹریٹ میں کرپر کے فرضی نام سے رہتا ہے۔ اس کے پاس جاؤ شاید کوئی کام کی بات مل جائے اور ہاں...... یہاں سے جلدی نکل جاؤ۔ مَیں تم سے بہت باتیں کر چکی ہوں اور اب میرا شوہر آنے والا ہے۔ جلدی کرو اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔“

”فرضی نام کرپر۔ وہ کس لئے؟“ کونٹین نے اس کی درخواست نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”تم اب بھی نہیں سمجھے؟ جب کسی شخص سے یہ لوگ ناراض ہو جائیں جو ان کے درمیان رہ چکا ہو اور ان کی اصلیت سے واقف ہو تو اسے کام سے الگ کر دینے پر اکتفا نہیں کرتے‘ اس سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ غریب اپنی اصلیت اور نام بدل کر رہ رہا ہے۔“ اس نے کھوکھلا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

کونٹین نے پیش کش کی۔ ”آپ ہمارے ساتھ کیوں نہیں چلتیں۔“

اتنے میں زور سے دروازہ کھلا ایک لمبا چوڑا آدمی اندر آیا اور حیران سا وہیں کھڑا ہو گیا۔ گوشت کی بساند کا ایک بھبکا اس کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوا جس سے فوراً اندازہ ہو گیا کہ وہ روزمارکو کا شوہر پیورو رِکن ہے۔ اب وہ کھڑا خونخوار نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ زور سے دھاڑا۔ ”کون ہو تم؟ اور یہاں کیا لینے آئے ہو؟“

اس سے پہلے کہ ہم کچھ جواب دیتے وہ روزمارکو کی طرف بڑھا اور اسے زور سے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ ”کون ہیں یہ لوگ؟ اور تم نے انہیں اندر کیوں بٹھا رکھا ہے؟“

پھر وہ پاگل بھینسے کی طرح ہماری طرف بڑھا اور کونٹین کے منہ پر زور دار گھونسہ جڑ دیا۔ اب ہمیں وہی زبان استعمال کرنا تھی جو وہ سمجھتا۔ یہ میرے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ کونٹین اتنا اچھا فائیٹر بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے قصاب

کے گھونسے کا ایسا شاندار جواب دیا کہ وہ لڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا اور جب اٹھا تو اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اٹھتے ہی اس نے کسی زخمی شیر کی طرح کونٹین کے بجائے روزمارکو پر حملہ کر دیا ور اس پر لاتوں' مکوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ اس کے بعد پاگل کتے کی طرح ہماری طرف بڑھا۔ اب اس کے ہاتھ میں خنجر چمک رہا تھا جو اس نے اسی وقت اپنی بیلٹ سے نکالا تھا۔ وہ جس انداز سے کونٹین کی طرف خنجر لہراتا ہُوا آ رہا تھا اگر میں آگے آ کر اس کے گھٹنے پر ٹھوکر مار کر اسے گرا نہ دیتا تو یقیناً کونٹین کا کام تمام ہو چکا ہوتا۔ پیورد اوندھے منہ صوفے پر گرا۔ اتنے میں کونٹین کو سنبھلنے کا موقع مل گیا اور وہ اس قصاب سے نمٹنے کے لئے تیار ہو گیا۔لیکن اب کے اس سانڈ نے میری طرف رخ کیا اور پولیس اسٹیشن کی میری رہی سہی کسر مار مار کر پوری کر دی۔ مجھے بچانے کے لئے کونٹین نے کرسی اٹھا کر پیچھے سے اس کے سر پر دے ماری تو کھڑے کھڑے کسی لاش کی مانند دھڑام سے نیچے پڑی تپائی پر گر گیا۔ مارے غصے کے مَیں نے بھی اوپر سے اس کے جبڑے پر کھینچ کر پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ ماتھے کے ساتھ ساتھ اب اس کے منہ سے بھی خون بہہ نکلا۔ کونٹین نے جھک کر اسے دیکھا وہ شاید بے ہوشی کے عالم میں اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

"جلدی سے نکل چلو مین۔" کونٹین نے میرا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔

اتنے میں پیچھے سے آواز آئی۔ "ٹھہرو! مَیں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی' پلٹ کر دیکھا تو یہ روزمارکو تھی۔ اگر یہ زندہ بچ گیا تو مجھے زندہ ہرگز نہ چھوڑے گا۔ اس قصاب کے ظلم و ستم سے مَیں اب تنگ آ چکی ہوں۔"

"اچھا! تم ابھی یہیں ٹھہرو مَیں جا کر گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوں۔" مَیں نے ان دونوں سے کہا اور باہر کی طرف دوڑا۔

باہر سے بہت سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔مَیں سہم کر وہیں رک گیا اور ہم تینوں خوف زدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ مَیں نے ڈرتے ڈرتے سوراخ میں سے باہر دیکھا تو دو ہٹے کٹے مسلح گارڈ نظر آئے جنہیں میں شام ڈویٹ فل وُڈ کے

ساتھ دیکھ چکا تھا۔ ان کے پیچھے پولیس کے کچھ سپاہی بھی تھے۔ مَیں نے مڑ کر جلدی سے کوئنٹین اور روز کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ روز نے ہم دونوں کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ ”ہمیں یہاں سے جلدی نکل جانا ہو گا۔ وہاں کچن کے پیچھے فائر اسکیپ ڈور کے راستے۔“

اور ہم تینوں چند لمحوں میں بلڈنگ کے پچھواڑے سے نکل کر سڑک پر تھے۔

اب مسئلہ پولیس سے بچنے کا تھا۔ سیٹیاں' سائرن اور قدموں کی آہٹ چاروں طرف سنائی دے رہی تھی۔ ہم چھپنے کی کوشش کرتے بھی تو بے کار تھا۔ اتنے میں شاید قسمت نے یاوری کی' ایک ٹیکسی اُدھر سے گزری۔ کوئنٹین نے اسے ہاتھ دیا پل بھر میں ہم تینوں اندر تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ہمیں غور سے دیکھا۔ ہم نے اس کا شک رفع کرنے کے لئے آپس میں بات چیت شروع کر دی ، اُس فرضی ا یکسیڈنٹ کے متعلق جو کچھ دیر پہلے ہمارے ساتھ ہُوا تھا۔ میرے چہرے کا حلیہ سارے دن کی مار کھا کھا کر عجیب وغریب ہو چکا تھا۔ اب قصاب کی تازہ پٹائی نے پھر میرے چہرے پر خراشیں ڈال دی تھیں۔ ڈرائیور نے کوئنٹین سے پوچھا ”کہاں جانا ہے؟؟“

”کسی قریب ترین ڈرگ اسٹور میں جو ساری رات کھُلا رہتا ہو۔“

اس کے کان ریڈیو کی اس دھیمی آواز پر لگے ہوئے تھے جو ٹیکسی کار میں چل رہا تھا۔ وہ اناؤنسمنٹ مَیں نے بھی سنی اور سر سے پاؤں تک پسینے پسینے ہو گیا۔ ریڈیو پر میرا ہی نام لیا جا رہا تھا۔ میرا نام اور حلیہ بیان کرنے کے بعد مجھے اشتہاری ملزم قرار دے دیا گیا تھا اور یہ کہ میری گمشدگی کے لئے میرے وکیل کارلٹن پرچیز کو ذمے دار ٹھہرایا جا رہا تھا کیونکہ اس کی ضمانت پر مجھے چھوڑا گیا تھا۔ اب مَیں پولیس کو ہر حالت میں مطلوب تھا اور طرہ یہ کہ ڈویٹ فُل وُڈ نے میری گرفتاری یا خبر دینے والے کو دس ہزار انعام دینے کا اعلان کیا تھا۔ گویا مَیں باقاعدہ مجرم قرار دیا جا چکا تھا۔ ٹیگو اور لاریگان نے مجھے سزائے موت دلوانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

○○○

کوئنٹین میری طرف دیکھ ہی نہیں رہا تھا اور ڈرائیور کو باتوں میں لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دراصل ہمیں ایک دوست کو فون کرنا ہے تاکہ وہ ہمارے ایکسیڈنٹ کے سلسلے میں کچھ مدد کر سکے۔ یہ ایک عجیب سا بہانہ تھا۔

ڈرائیور نے پوچھا۔ "تو کیا مجھے آپ لوگ فارغ کر دیں گے یا مجھے فون کال کے بعد دوبارہ آپ کو لینا ہو گا؟"

"ہمیں کچھ وقت بھی لگ سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو رک جانا ورنہ نہیں۔" کوئنٹین نے اسے مطمئن کر دیا۔ اتنے میں ایک ڈرگ اسٹور نظر آیا۔ ٹیکسی رکی۔ کوئنٹین نے کرایہ ادا کیا اور ہم تینوں ڈرگ اسٹور میں گھس گئے۔ کوئنٹین نے ہمیں ایک ٹیبل پر چھوڑا اور خود کاؤنٹر کی طرف چلا گیا اور پھر ٹیلی فون کرنے میں مصروف ہو گیا۔ روز نے ٹائلیٹ جا کر اپنا حلیہ درست کرنے کی خواہش کا اظہار کیا جو چند سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیلری میں تھا۔

"کیا تم میرے ساتھ آ رہے ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں؟ میرا خیال ہے مجھے بھی ہاتھ منہ دھو لینا چاہیئے۔" مَیں نے خراشیدہ چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"تو آؤ ذرا خاموشی سے، مَیں تمہیں ایک حیران کن بات بتاتی ہوں۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

ہم دونوں دبے پاؤں زینہ چڑھ کر گیلری میں آ گئے۔ کوئنٹین کی پشت ہماری طرف تھی اس لئے وہ ہمیں نہ دیکھ سکا۔ روز مارکو نے اوپر پہنچتے ہی بے صبری سے کہا۔

"کوئنٹین پولیس بُلا رہا ہے، تمہیں پکڑوا کر انعام حاصل کرنے کے لئے۔"

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔" مَیں نے پورے یقین سے اس کی بات جھٹلا دی۔

"اِدھر آؤ، مَیں تمہیں اُس کی گفتگو سنواتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے کونے میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔ اس کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر باتیں سننے لگی اور پھر ریسیور میرے کان سے لگایا دیا۔

اور جو کچھ مَیں نے سنا وہ ناقابلِ یقین تھا۔کونٹین کسی کو اپنے متعلق بتا رہا تھا کہ
ہم اس وقت کہاں ہیں اور وہ میرے ساتھ ہے جسے پولیس تلاش کر رہی ہے۔ اس سے زیادہ مَیں سن ہی نہ سکا۔ سر چکرانے اور قدم ڈگمگانے لگے۔ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ کونٹین جیسا شخص دھوکہ دے کر مجھے بیچ بھی سکتا ہے۔ اس وقت مجھے اپنی زندگی ختم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بڑی مشکل سے مَیں اتنا کہہ سکا۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟" مجھ سے اپنی بدلی ہوئی آواز بھی پہچانی نہیں جا رہی تھی۔

"اس کے فون بند کرنے سے پہلے یہاں سے فوراً بھاگ چلو۔ مَیں یہاں کے تمام راستوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔" اس نے رائے دی۔

مَیں نے چہرے پر گیلا تولیہ رگڑا۔ اس نے آئینے کے سامنے اپنے بال درست کئے اور ہم مکمل راز داری سے دبے پاؤں چلتے ہوئے نیچے اترے۔

کونٹین ابھی تک ٹیلی فون پر سر جھکائے کھڑا تھا اور شاید اپنی ڈائری میں کچھ نوٹ کرنے میں مصروف تھا۔ اسی مصروفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم دروازے سے نکلے اور ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر اندھیرے راستے کی طرف سرپٹ بھاگے۔ کچھ دور جا کر رُکے تو اپنا سانس درست کرتے ہوئے مَیں نے پوچھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"یہاں سے کچھ میل کے فاصلے پر گیلی نے لکڑی کا بنا ہوا کیبن خرید رکھا ہے۔ وہ یہاں کبھی کبھی فرصت کے لمحات میں آ کر رہتی تھی۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔" روز مارکو نے آہستگی سے جواب دیا۔

"وہاں ہم پکڑے تو نہیں جائیں گے؟" مَیں نے تشویش ظاہر کی۔

"بہت بے وقوف ہو' کیا معلوم ہمیں وہاں سے ایسی چیز ہاتھ لگ جائے جو تمہیں بے گناہ ثابت کر سکے۔ کوئی ڈائری وغیرہ اور دوسرے یہ کہ پولیس وہاں نہیں پہنچی ہو گی۔ ابھی وہ تمہارے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ اس نے مجھے اطمینان دلانے کی خوشگوار کوشش کی۔

یہ بات اگرچہ مضحکہ خیز تھی لیکن اس کی رہنمائی پر بھروسہ کرنا میری مجبوری تھی۔ مَیں چپ چاپ چلتا رہا۔

صبح کاذب کے وقت ٹھنڈی یخ ہوا کے باوجود لیٹ کر سوجانے کو دل چاہ رہا تھا لیکن یہ ممکن ہی نہ تھا۔ ہمیں جلدی گیلی کے کیبن میں پہنچانا تھا۔ چلتے چلتے پیر شل ہو چکے تھے۔ جسم تھکن سے چُور چُور تھا لیکن ہم رک نہیں سکتے تھے۔

کوئی صبح کے چھ بجے ہم اس خوبصورت وادی میں پہنچے جہاں گیلی کا کیبن واقع تھا۔ چاروں طرف اونچے اونچے درخت اور ڈھلان پر بنا وہ منظر بہت حسین لگ رہا تھا۔ کشادہ راستہ چھوڑ کر ہم ڈھلان کے چھوٹے راستے پر ہو لئے۔ کیبن کی کھڑکیاں اور دروازے بند تھے اور پردے کھنچے ہوئے تھے۔ آس پاس ایسا نشان نہ تھا جس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ پچھلے دنوں یہاں کوئی آیا ہے۔ شاید پولیس کو گیلی کی مختلف رہائش گاہوں کی تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"اچھا! تم یہاں جھاڑیوں میں ٹھہرو اور میرے بلانے کا انتظار کرو۔" روز نے مجھے جھاڑیوں کے پاس روکتے ہوئے کہا۔

"اور وہ دروازہ۔۔۔۔۔۔۔۔؟ کیسے کھولو گی؟" مَیں نے پوچھا۔

"وہ سب مجھ پر چھوڑ دو' مَیں اسے کھولنے کی تکنیک جانتی ہوں۔ گیلی کے ساتھ پہلے بھی یہاں آ چکی ہوں۔"

مجھے مطمئن کرنے کے بعد وہ ملگجے اندھیرے میں غائب ہو گئی اور مَیں جھاڑیوں میں چھپا کھڑا رہا۔ پانچ منٹ' دس منٹ...... پندرہ منٹ ہو گئے لیکن روز کی آواز نہ آئی۔ میں جھاڑیوں سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے ذرا سا اندر دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ اچانک چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ سامنے ٹیگو ریوالور لئے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے روزمارکو نظر آ رہی تھی۔ تب اچانک مجھے یاد آیا کہ راستے میں ایک جگہ ایک چھوٹی سی سرائے آئی تھی اور روز مجھے درختوں کے پیچھے کھڑا کر کے سرائے کے اندر چلی گئی تھی کہ شاید ہمیں کافی کے دو کپ مل جائیں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد وہ خالی ہاتھ واپس آ گئی تھی کہ اس وقت کافی نہیں مل سکتی۔ روزمارکو نے بھی مجھے دھوکہ دیا

تھا اور دس ہزار ڈالر کے عوض مجھے بیچ دیا تھا۔ موت ٹیگو کی صورت میں میرے سامنے کھڑی تھی اور میں اگلے قدم کے بارے میں سوچنے لگا۔

روزمارکو فتح مندی سے مسکراتی ہوئی میرے قریب آئی اور بے تکلفی سے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر بولی۔

"یہ رہا تمہارا شکار مسٹر ٹیگو۔" پھر زور سے قہقہہ لگایا۔ جی چاہا کہ اس کی گردن مروڑ دوں لیکن اس لمحے تو مجھے اپنی گردن بچانے کی فکر تھی۔ میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا اور مَیں نے جھپٹ کر اسے پکڑ لیا۔ اس کی گردن اپنے بائیں بازو میں دبوچ کر اسے اپنے آگے کھڑا کر لیا۔ اب میرے اور ٹیگو کے ریوالور کے درمیان روزمارکو تھی۔ اب ٹیگو مجھ پر اتنی آسانی سے فائر نہیں کر سکتا تھا۔ مَیں نے آہستہ آہستہ الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھنا شروع کیا روز مارکو نے بہت زور لگایا لیکن میری گرفت سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ ٹیگو نے مجھے خبردار کرتے ہوئے کہا۔

"تم یہاں سے بھاگ کر نہیں جا سکتے۔ نکل بھی گئے تو چند منٹ بعد پھر میرے قبضے میں آ جاؤ گے۔ بہتر یہی ہو گا کہ شرافت سے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو۔"

مَیں نے اس کی ایک نہ سنی۔ مَیں ہر صورت اس کے خونی پنجے سے نکلنا چاہتا تھا۔ پیچھے ہٹتے ہٹتے اچانک میرا دایاں ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا۔ دیکھا کہ دروازے کے ساتھ ایک بڑا سا پیتل کا گلدان رکھا ہے۔ شاید میری خوش قسمتی نے اسے وہاں لا رکھا تھا۔ مَیں نے وہ اٹھا لیا۔ اس سے پہلے کہ ٹیگو میرا ارادہ بھانپ سکے۔ مَیں نے پوری قوت سے اس کی طرف کھینچ مارا اور خود روز کو کچھ دور تک ساتھ گھسیٹ کر دروازے سے نکل بھاگا۔

مَیں ٹیگو کے سنبھلنے اور ریوالور سنبھال کر پیچھے آنے سے پہلے اس کی نظروں سے اوجھل ہو جانا چاہتا تھا۔ لیکن چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کے سوا کوئی اوٹ نہیں تھی۔ مَیں بے خطر ان جھاڑیوں میں کود پڑا اور کیبن کے پچھواڑے کی طرف بھاگنے لگا۔ خار

دار جھاڑیوں میں الجھتا، کپڑے پھاڑتا اور جسم پر جابجا خراشیں لگواتا، بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ ٹیگو کے دوڑنے کی آوازیں اپنے عقب میں برابر سن رہا تھا۔

جھاڑیوں کے ہلنے سے میری قدم قدم کی پوزیشن کا اسے اندازہ ہو رہا تھا۔ اس نے یکے بعد دیگرے دو فائر کیے۔ خوش قسمتی سے گولیاں میرے دائیں بائیں ہو کر نکل گئیں۔ ابھی چار گولیاں اس کے پستول میں باقی تھیں جو کسی بھی وقت میرا کام تمام کر سکتی تھیں۔ اچانک دوڑنے کی آہٹ کچھ دیر کے لئے تھم گئی۔ شاید ٹیگو کسی جھاڑی میں اُلجھ گیا تھا۔ اسے اپنا آپ چھڑانے کے لئے چند لمحے لگ گئے تھے۔ اتنے میں میری نظر جھاڑیوں کے پرے کھڑی ٹیگو کی کار پر چلی گئی۔ مَیں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر کار تک پہنچا۔ ٹیگو کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گا کہ مَیں نہتا اور تنہا ہونے کے باوجود بھاگنے کی جرأت کر سکوں گا اور اگر کر بھی سکوں گا تو جھاڑیوں کی اَوٹ میں چھپی کار تک بھی پہنچ پاؤں گا۔ اس نے چابی اندر ہی لٹکتی چھوڑ رکھی تھی۔ مَیں نے کار اسٹارٹ کی اور ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھ دیا۔ کار جھاڑیوں ٹیلوں اور گڑھوں کو پھلانگتی ہوئی جا رہی تھی۔

ٹیگو کی فائرنگ سے تڑاخ تڑاخ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ رہے تھے۔ ایک گولی میری کنپٹی کے اتنے قریب سے گزری کہ اس کی انگارہ سی تپش مَیں نے صاف محسوس کی لیکن مَیں رکا نہیں۔ چند لمحوں بعد خون کی ایک دھار میری گردن اور آنکھوں میں گرنے لگی۔ گولی کنپٹی کے قریب سے نہیں کنپٹی کو چھو کر گزری تھی۔ مَیں نے ہاتھ پھیر کر دیکھا کھوپڑی سے لے کر چشم کے کونے تک زخم کی لمبی سی باریک لائن بن گئی تھی، جس سے خون کی دھاریں بہہ نکلی تھی۔ ٹیگو نے دو فائر کئے کار کے ٹائروں پر۔ دو دو کر کے اب تک چھ فائر ہو چکے تھے۔ اگر ٹیگو کے پاس دوسرا لوڈ ریوالور نہیں تھا تو اسے گولیاں بھرنے میں چند منٹ لگ سکتے تھے۔ میرے پاس اس کی نظروں سے اوجھل ہونے کا چانس موجود تھا جس کا مَیں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ واقعی مَیں اب ٹیگو کی نظروں سے دور ہو چکا تھا۔ سامنے ایک چھوٹی سی سڑک نظر آ رہی تھی۔ مَیں جلد از جلد اس پر پہنچ گیا اور پوری رفتار سے گاڑی دوڑا دی۔ کچھ ہی دور گیا ہوں گا کہ بہت بلندی پر نہر کا پل نظر آیا۔ کار کے بے کار ٹائر اتنی بلندی پر جا کر پل پار کرنے کے قابل

نہیں تھے۔ لہٰذا میں نے گاڑی نہر کی روانی کے ساتھ موڑ دی۔ نہر کا یخ بستہ پانی شفاف شیشے کے مانند نظر آ رہا تھا اور کہیں کہیں سے برف ٹوٹ کر پانی باہر بہہ رہا تھا۔ مَیں نے گاڑی کی رفتار تیز کی' دروازہ کھولا اور گاڑی کا رخ نہر کی طرف موڑ کر خود باہر کود گیا۔ برف کو توڑتی ہوئی ہچکولے کھاتی کار نہر کے درمیان میں پہنچ کر رک گئی۔ غالباً وہاں برف ٹوٹ کر بہت بڑا گڑھا بنا ہُوا تھا اور پانی نکل آیا تھا مَیں کنارے پر کھڑا دیکھ رہا تھا کہ کار آہستہ آہستہ ڈوب رہی ہے۔ پھر وہ ایک جگہ ٹھہر گئی شاید نیچے برف کی ایک اور تہ تھی۔ کار کی چھت دیکھ کر ٹیگو یہی سمجھ سکتا تھا کہ مَیں بھی اس کے اندر ہوں گا۔ اسی خیال سے کچھ دیر کے لئے میری تلاش کا سلسلہ منقطع ہو سکتا تھا جو میرے لئے بڑا مفید تھا۔

مَیں چلتے چلتے چھوٹی چھوٹی الگ الگ جھونپڑیوں پر مشتمل ایک احاطے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ نیوئن سائن سے پتہ چلا کہ یہ ایک آٹوکورٹ ہوٹل ہے۔ اتنے میں پیچھے سے پولیس سائرن کی تیز آواز سنائی دی۔ وہی ہُوا جس کا ڈر تھا۔ گیلی کے کیبن میں یقیناً فون بھی ہو گا۔ جبھی اتنی جلد پولیس کی مزید گاڑیاں پہنچ گئیں۔ مَیں نے بھاگ کر ایک جھونپڑی کے پیچھے پناہ لی لیکن یہ پناہ نہ ہونے کے برابر تھی اگر پولیس ہوٹل کے گرد چکر لگاتی تو میرے پکڑے جانے میں ایک منٹ بھی نہ لگتا۔ نتائج کی پروا کئے بغیر مَیں ایک جھونپڑی میں گھس گیا۔ اتفاق سے وہ خالی پڑی تھی۔

اچانک مجھے کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دیں جو آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھیں۔ مَیں اب انہیں صاف سن سکتا تھا۔ شاید ہوٹل منیجر کسی سے کہہ رہا تھا۔

"دیکھئے انسپکٹر! مَیں آپ سے اتنا ہی تعاون کر سکتا ہوں کہ اپنی خالی ہٹس کی تلاشی کروا دوں۔ جن میں رہائش ہے' ان کے بارے میں آپ رجسٹر سے معلوم کر سکتے ہیں۔" مَیں اس وقت شاید بیڈ روم میں کھڑا تھا۔ قدموں کی آہٹ قریب تر ہوتی جا رہی تھی اور بیڈ روم میں چھپنے کی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ مَیں دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں گھس گیا۔ یہ غسل خانہ تھا۔ بالکل اندھیرا کسی تہ خانے کی طرح۔ نیم وا دروازے کے پیچھے دیوار سے اس طرح چپک کر کھڑا ہو گیا کہ کم سے کم جگہ گھیر

سکوں تاکہ اگر وہ دروازہ کھولیں تو کوئی چیز ٹکراتی محسوس نہ ہو۔ یہ ایک احمقانہ سی کوشش تھی۔ قدموں کی آہٹ مزید نزدیک آ گئی۔ وہ اب ساری جھونپڑی میں اِدھر اُدھر شاید مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ مَیں سانس روکے کھڑا تھا۔ کوئی شخص غسل خانے کی طرف آیا۔ دروازہ اتنا کھلا تھا کہ ٹارچ کی روشنی سے پورا غسل خانہ روشن ہو گیا۔ شاید میری قسمت اچھی تھی جو آنے والے نے دروازے کے پیچھے جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔ قدموں کی آہٹ ختم ہو گئی۔ مَیں پھر بھی وہیں سکڑا سمٹا کھڑا رہا۔ میری پسلیاں دُکھ رہی تھیں اور ماتھے پر سے پسینے کے قطرے اس ٹھنڈ میں بھی گر رہے تھے۔ مجھے یوں کھڑے جیسے صدیاں بیت گئی ہوں۔ آہستہ آہستہ ہمت کرکے مَیں دروازے کے پیچھے سے نکلا اور دھیرے دھیرے بلی کی چال چلتا ہُوا بیڈ روم میں آیا۔

"اُف خدایا یہ کیا؟ مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر لڑکی نظر آئی جو کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ بیڈ پر غالباً کچھ سامان بھی رکھا تھا۔ لڑکی کی پیٹھ میری جانب تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر دیکھے اور ڈر کر خوف ناک چیخ مار دے' مَیں نے بڑھ کر پیچھے سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے اسے قابو میں کرکے بیڈ تک گھسیٹ لایا۔ مَیں نے غرا کر اسے دھمکی دی۔ "خبردار آواز نکالی تو جان سے مار دوں گا۔"

جونہی اسے لا کر بیڈ پر پٹخا تو اس کی شکل دیکھتے ہی مَیں خود حیران پریشان ہو گیا۔ وہ رجینا تھی۔ میری خیر خواہ! میری دوست۔

"تم........ تم یہاں کیسے؟" میرے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

مجھے یہاں دیکھ کر اسے جیسے کوئی حیرت ہی نہ ہوئی ہو۔ بڑے اطمینان سے بولی۔

"مجھے یہاں کونٹین لایا ہے۔ مَیں ابھی ابھی یہاں پہنچی ہوں' تمہاری تلاش میں۔ مَیں ریڈیو پر تمہارے متعلق سن چکی تھی اور پریشان تھی کہ تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں۔ تبھی آج صبح منہ اندھیرے کونٹین میرے پاس پہنچا اور مجھ سے تمہارے متعلق بات کی۔ وہ ہمارے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تم اگر کسی کی بات سنو گے تو صرف میری۔ اس لئے وہ مجھے لے کر یہاں پہنچا ہے۔ اسے یقین تھا کہ تم اسی

علاقے میں ہو گے۔ وہ مکار عورت روزمار کو یقیناً تمہیں لے کر یہیں آئی ہو گی۔"

"تو کیا۔۔۔۔۔؟ وہ ۔۔۔۔۔۔۔ شیطان کونٹین بھی تمہارے ساتھ آیا ہے؟ یہ کیا غضب کیا تم نے۔ وہ ایک بار پہلے بھی مجھے پکڑوانے کی کوشش کر چکا ہے، اب پھر یہی کرے گا۔ اب تم زیادہ دیر مجھے زندہ نہ دیکھ سکو گی۔" مَیں نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

"نہیں، نہیں، یہ تمہارا وہم ہے۔ کونٹین تمہارا دوست ہے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے اور وہ بھی اس مکار عورت کی شرارت سے۔ وہ اس وقت اپنے آفس میں فون کر رہا تھا، اپنے جونیئر کو ہدایات دینے کے لئے۔ پولیس کو نہیں اور ہاں وہ اب شاید آگے گیلی کے کیبن کی طرف گیا ہے اور سہ پہر کو لوٹے گا اور ہم دونوں سے ملے گا۔ تب تک نہا دھو کر آرام کر سکتے ہو۔ مَیں تمہارے لئے کچھ ناشتہ بناتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پیکٹ اٹھا کر کچن میں لے گئی اور مصروف ہو گئی۔

مَیں گرم پانی سے دیر تک نہاتا رہا۔ پھر رجینا نے میرے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ اس کے بعد ہم نے مل کر ناشتہ کیا اور مَیں نرم بستر میں لیٹ کر سہ پہر تک سوتا رہا۔ آنکھ اس وقت کھلی جب دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ رجینا نے دروازہ کھولا۔ کونٹین نے اندر داخل ہو کر جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور میری طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم تینوں کافی کے مگ ہاتھ میں لئے باتیں کر رہے تھے۔ کونٹین نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میرا خیال ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم کتنے احمق ہو۔"

"ہاں، مَیں جانتا ہوں اور شرمندہ ہوں۔" مَیں نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"اچھا اب مَیں جیسے اور جس طرح کہوں ویسے ہی کرتے جاؤ ورنہ مجھے ڈر ہے، کہ تم خود ہی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔" کونٹین نے کافی کا مگ رکھتے ہوئے کہا اور کچھ سوچتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

"روزمار کو نے تمہیں بتایا ہو گا کہ گیلی کے کیبن میں شاید کوئی ایسا ثبوت مل سکے جو تمہاری پوزیشن صاف کر سکے۔ مَیں نے وہ ثبوت حاصل کر لیا ہے وہاں سے۔"

"کیا تم وہاں گئے تھے؟ کتنی دیر ٹھہرے اور کیا ثبوت ملا تم کو؟" میں نے بے تابی سے کئی سوال کر ڈالے۔

"ذرا صبر سے کام لو' میں تمہیں شروع سے آخر تک خود ہی سب بتا دیتا ہوں۔ تمہیں یاد ہو گا کہ روز مارکو نے ہمیں مسٹر جیمسن سے ملنے کو کہا تھا جو کسی وقت ڈویٹ فل وُڈ کا اکاؤنٹنٹ رہا تھا اور اب فرضی نام سے کہیں اور قیام پذیر ہے۔ میں اس سے ملا لیکن کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔ اس کا کہنا تھا کہ ایسی کوئی بات فل وُڈ میں نہیں تھی۔ بس ایک مرتبہ اس کی ڈویٹ فل وُڈ سے کسی معاملے پر بحث ہو گئی تھی، اس کے بعد وہ سروس چھوڑ کر چلا آیا۔ جہاں تک میرا خیال ہے اس اکاؤنٹنٹ نے بوڑھے سرمایہ دار کو دھوکہ دیا اور فراڈ کر کے اپنی راہ لی۔ اسی لیے اُسے فرضی نام اپنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ روزمارکو اس وقت ہم سے جان چھڑانا چاہتی تھی کہ ہم اس کے شوہر کے آنے سے پہلے گھر سے نکل جائیں لیکن جب اس کے آ جانے سے کہانی کا رخ ہی بدل گیا تو اس نے ہمارے ساتھ بھاگ چلنے میں عافیت جانی اور پھر جب دس ہزار ڈالر کی بھنک اُس کے کانوں میں پڑی تو نیت خراب ہو گئی۔

"اور وہ جب تمہیں لے کر ڈرگ اسٹور سے فرار ہوئی تو میں نے دوبارہ اپنے جونیئر کو فون کیا اور وہاں کے تازہ حالات معلوم کرنے کو کہا۔ اس کے کچھ دیر بعد میں نے وہاں فون کیا تو معلوم ہوا کہ پولیس انسپکٹر ٹیگو کو ایک عورت کا فون موصول ہوا ہے، کہ اب سے تھوڑی دیر بعد گیلی کے اس مضافاتی کیبن میں اس کے ساتھ موجود ہو گی۔ میں اس وقت مسٹر جیمسن سے مل کر آیا تھا۔ اب مجھے کوئی ایسا شخص تلاش کرنا تھا جس پر تمہیں اندھا اعتماد ہو۔ اسے تلاش کرنے کے لئے میں نے اپنے جونیئر سیریکن کی ڈیوٹی لگائی جس نے ایک گھنٹے کے اندر اندر مس رجینا کو تلاش کر کے رابطہ قائم کر لیا۔ واقعی میرا جونیئر بہت اچھا ذہین اور لائق شاگرد ہے۔ وہ بہت جلد مجھ سے آگے نکل جائے گا۔ میں اس پر مکمل اعتماد کرتا ہوں تو میں نے اسے اسی روڈ سائڈ سرائے تک پہنچانے کے لئے کہا جہاں سے میں نے اسے فون کیا تھا۔ انفاق سے یہ وہی سرائے تھی جہاں سے کچھ دیر پہلے روزمارکو کافی لینے کے بہانے پولیس اسٹیشن فون کر کے گئی

تھی۔ مِس رجینا کا مَیں بہت بہت شکر گزار ہوں کہ ایک منٹ ضائع کئے بغیر وہ تمہاری خاطر یہاں پہنچ گئیں۔ اتنے میں پھر میرے دفتر سے فون موصول ہوا کہ تم گیلی کے کیبن سے ٹیگو کی گرفت میں آنے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ یہ اطلاع پولیس اسٹیشن سے حاصل ہوئی تھی۔ مَیں نے مِس رجینا کو اِس ہوٹل میں چھوڑا اور خود گیلی کے کیبن تک جانے کا فیصلہ کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ تم یہیں کہیں اِدھر اُدھر کے علاقے میں مل سکو گے۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس ہوٹل میں مل جاؤ گے۔ بہر حال مَیں تو رجینا کو یہاں چھوڑ کر چلا گیا تھا اور وہاں سے گیلی کی ایسی ڈائری تلاش کر لانے میں کامیاب ہو گیا ہوں جو پولیس کی تفتیش کا رخ موڑ سکتی ہے۔ اس میں کئی نام ایسے ہیں جو اس کے قتل میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ کچھ بلیک میلر بھی جن کا تذکرہ اس نے ڈائری میں کیا ہے۔"

کمرے میں اب اتنی خاموشی تھی کہ مجھے وحشت ہونے لگی۔ مَیں، کونٹین اور رجینا تینوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ اتنا گہرا سکوت شاید مَیں نے زندگی بھر کہیں محسوس نہ کیا ہو گا۔ آہستہ آہستہ اس اعصاب شکن خاموشی نے میرے اوپر کسی آسیب کی طرح تسلط جمانا شروع کر دیا اور مَیں انہونے خدشات کی رو میں بہتا چلا گیا۔ موت کے خطرات مجسم ہو ہو کر مختلف صورتوں میں سامنے آنے لگے۔ کبھی میں دیکھتا کہ ٹیگو اور لاریگان نے مجھے پکڑ لیا ہے، کبھی دیکھتا کہ موت کی کرسی پر بیٹھا ہوں، جلاد نے بجلی کا سوئچ اب آن کیا کہ اب کیا۔ کبھی دیکھ رہا ہوں کہ روزمار کو نے مجھے گولی مار دی ہے ------ اور ------ اس کے بعد مجھے خبر نہ رہی مَیں کہاں ہوں۔

آنکھ کھلی تو مَیں نے اپنے آپ کو ہسپتال کے بستر پر پڑا پایا۔ نرس میرا بستر ٹھیک کر رہی تھی۔ جونہی مجھے ہوش میں آتے دیکھا تو میرے قریب آ گئی اور آہستہ سے بولی۔ "مبارک ہو مسٹر ٹام مین! آپ تین دن کی بے ہوشی کے بعد ہوش میں آئے ہیں۔ مَیں ابھی ڈاکٹر کو خبر کرتی ہوں۔ آپ اس وقت نیو ہاسپٹل میں ہیں۔"

ڈاکٹر نے مجھے دیکھنے کے بعد کہا کہ اب مَیں بالکل ٹھیک ہوں۔ غالباً مَیں کسی ذہنی دباؤ کے زیرِ اثر طویل بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال لایا گیا تھا۔ اب مجھے یاد آیا

کہ میں کس طرح مضافاتی ہوٹل میں بیلو سنیشن کا شکار ہو کر بے ہوش ہوا تھا۔ ڈاکٹر مجھے مبارک باد دے کر چلا گیا۔

نرس پھر میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور شفقت سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"مسٹر میسن! ابھی سہ پہر تین بجے آپ کے ملاقاتی آئیں گے۔ بہت سے ملاقاتی، آپ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔ ابھی آپ یہ مشروب پی کر آرام کیجئے۔"

کہنے کو تو میں لیٹ گیا لیکن میری نظریں سامنے کلاک پر جمی ہوئی تھیں۔ آخر کار تین بج ہی گئے۔ عین اسی وقت دروازے سے رجینا اور کونٹین اکٹھے داخل ہوئے۔ کونٹین بے حد مسرور و مطمئن نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں میرے بستر کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر میرے اوپر جھک گئے اور میرا حال پوچھنے لگے۔ فوراً ہی بعد دروازے میں ایک اور نوجوان داخل ہوا۔ کونٹین نے اس سے تعارف کرایا۔

"یہ ہے میرا ہونہار شاگرد اور ساتھی سیریکن جس نے تمہارے کیس میں میری بہت مدد کی ہے۔" سیریکن نے بڑھ کر گرم جوشی سے مسکرا کر ہاتھ ملایا اور کونٹین سے کہا۔

"مسٹر کونٹین! آپ نے انہیں تازہ خبر نہیں سنائی؟"

"نہیں، میں ابھی تو آیا ہوں۔" کونٹین نے جواب دیا۔

"کون سی خبر؟" میں نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"ابھی سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے' ذرا کچھ دیر اور۔۔۔۔۔۔۔" کونٹین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے ان سب کی مسکراہٹ معنی خیز سی لگی۔ اتنے میں مسٹر ریڈلف بوئی اور کارلٹن پرچیز کمرے میں داخل ہوئے۔ بستر کے قریب آ کر باری باری مجھ سے ہاتھ ملایا اور حال پوچھا۔ میں حیران سا تھا۔ کارلٹن پرچیز نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "بھئی! مسٹر میسن آپ نے بھاگ کر اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال دیا تھا۔"

"میں معذرت چاہتا ہوں۔" میں نے شرمندگی سے کہا۔

کونٹین نے کارلٹن کو مخاطب کیا۔ "یہ مسٹر فل وڈ کہاں رہ گئے؟ انہیں تو

پروگرام کے مطابق یہاں موجود ہونا چاہیئے تھا۔"

"سر! آپ کو معلوم ہے کہ یہ بڑے لوگ انتظار کروانے کے عادی ہوتے ہیں۔" کونٹین کے جونیئر نے ہنستے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

"یہ بات ہے تو ہم انتظار نہیں کریں گے۔" کونٹین نے بھی ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

مَیں اس خوشگوار فضا سے پریشان سا ہو رہا تھا۔ کونٹین کے اس اشارے پر یہ سب لوگ بستر کے اِردگِرد بیٹھ گئے۔ کونٹین کی کرسی بالکل میرے پاس دائیں جانب تھی۔ اس نے کہنا شروع کیا۔

"میں سب سے پہلے یہ خبر سنانا چاہتا ہوں کہ میسن کی بے گناہی تسلیم کر لی گئی ہے۔ روزمارکو نے گیلی کو قتل کیا اور مارشیا ہوپ کرک کی قاتل بھی وہی تھی۔ اُس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے اور وہ اب پولیس کی تحویل میں ہے۔"

ان باتوں پر مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اپنی بے گناہی کا بھی اور روزمارکو کے قاتل ہونے کا بھی۔

"یہ بالکل درست ہے۔" کونٹین نے زور دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن، لیکن مِس ہوپ کرک کے دروازے کی اُوٹ میں ہم نے تو مردانہ جوتوں کی جھلک دیکھی تھی؟" مَیں نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں اس پوائنٹ پر دھوکہ ہو سکتا تھا لیکن بات دراصل یہ ہے کہ روزمارکو گھر سے باہر جاتے وقت فلیٹ ہیل کے بند شوز استعمال کرتی ہے۔ جن کی ادھوری سی جھلک پر مردانہ پاؤں کا گمان ہو سکتا ہے۔ تم نے شاید نوٹ نہیں کیا کہ جب روزمارکو ہمارے ساتھ اپنے گھر سے نکلی تھی تو اس وقت بھی ایسے ہی جوتے پہنے ہوئی تھی۔

"تم سب یقین کرو یا نہ کرو یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک زمانے میں خود ڈوبیٹ فل ہُوڈ کے گیلی ٹرنر سے تعلقات تھے۔ پھر اس کا دل بھر گیا اور اس نے گیلی کو کھیلے ہوئے کھلونے کی طرح ایک طرف پھینک دیا اور بھول بھال گیا۔ ایسا روزمارکو کے ساتھ بھی ہو چکا تھا اور بہت سی لڑکیوں کے ساتھ بھی۔ اِسی اثنا میں گیلی کی دوستی ایک خوبرو نوجوان لڑکے سے ہو گئی جو بعد میں سنجیدہ محبت کی صورت اختیار کر گئی اور ان

دونوں نے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اب جب گیلی کو اس کا پورا نام اور خاندانی پس منظر معلوم ہُوا تو وہ بہت پریشان ہوئی کیونکہ اس نوجوان کا پورا نام لِی فل وُڈ تھا اور وہ ڈویٹ فل وُڈ کا بیٹا تھا۔ اس نے لِی سے کچھ سوچنے کی مہلت مانگی لیکن واپسی کا راستہ بند ہو چکا تھا۔۔۔۔۔۔

"لِی کو بتائے بغیر وہ فل وُڈ کے پاس گئی اور اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ وہ اب اس کی بہو بننے جا رہی ہے اس لئے اپنے بیٹے پر ہمارا پرانا تعلق ظاہر نہ کیا جائے۔ پہلے تو وہ بہت ناراض ہُوا لیکن جب اسے معاملے کی نزاکت کا علم ہُوا کہ اس کا بیٹا ہر صورت میں یہ شادی کر کے رہے گا تو اس نے اپنے گذشتہ تعلق پر پردہ ڈالنے ہی کو مناسب سمجھا۔ اس کے لئے اس نے گیلی کو گھر بیٹھ جانے کا مشورہ دیا اور اس کی تمام تصاویر اور نیگیٹو ساری ماڈلنگ ایجنسیوں سے بھاری قیمت پر خرید لیں اور وہ سب جلا ڈالیں۔ کسی اخبار کے دفتر میں بھی اس کی تصویر باقی نہ بچی۔ اُس ایک معمولی تصویر کے سوا جو اتفاق سے بچ گئی اور بعد میں اس اخبار کی زینت بنی جسے دیکھ کر مین کو گمشدہ بیوی نظر آ گئی اسے روزمارکو نے بھی ایک لمبے عرصے کے بعد دیکھا اور اس انداز سے دیکھا کہ وہ فل وڈ فیملی کی فرد بننے کو ہے تو رشک و حسد اور انتقام کی آگ اُس کے سینے میں بھڑک اُٹھی ۔۔۔۔۔۔

"وہ گیلی سے حسد کرتی تھی اور ڈویٹ فل وُڈ سے انتقام لینا چاہتی تھی، جس نے اسے بھی دوسری لڑکیوں کی طرح پھینک دیا تھا۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور قتل کی واردت کا منصوبہ بنا لیا۔ روزمارکو نے ایک تیسری ماڈل گرل مِس مارشیا ہوپ کرک کو بھی راز دار بنایا جس کی مدد سے گیلی کے محافظ کو کچھ دیر کے لئے ڈیوٹی سے غیر حاضر کرا دیا جائے اور گیلی کے کمرے تک پہنچ جائے۔ مِس ہوپ کرک نے بھی شاید لالچ میں آ کر ایسا ہی کیا اور گیلی کے محافظ سے اظہارِ الفت کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں تھا۔ تب روزمارکو گیلی کے کمرے میں گئی اور اپنے مطالبات پیش کئے۔ انہیں سن کر گیلی طیش میں آ گئی۔ اس نے روز کو کمرے سے نکل جانے کے لئے کہا لیکن روز نے گالیاں دیں اور ہاتھا پائی شروع کر دی۔ گیلی نے روز کو

ھمکانے کے لئے ریوالور نکال لیا لیکن روزمارکو سے کھینچا تانی میں وہ چل گیا اور گیلی
ھیر ہو گئی۔ یہ ہیمن کا وہی ریوالور تھا جو شادی کے بعد گھر چھوڑ کر گیا تھا۔۔۔۔۔۔
"روز نے چھپ کر نیجل کا انتظار کیا۔ جب وہ ہوپ کرک کے کمرے سے
اپس آ گیا تو روز مارکو ہوپ کرک کے کمرے میں چلی گئی اور بالکل نارمل انداز میں
ات چیت کرتی رہی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے اس کا آٹومیٹک پستول لے کر دیکھنے
لگی جو وہ اکیلے میں حفاظت کی خاطر ہمیشہ اپنے پاس رکھتی تھی۔ روز کافی دیر اس کے
کمرے ہی میں رہی، جب تک موقع پر تم یعنی ہیمن پکڑا جا چکا تھا۔ پولیس اسٹیشن پر
پوچھ گچھ اور مارکٹائی کے بعد تمہیں مسٹر کارلٹن پرچیز جب چھڑا کر لائے، اس کے بعد
تمہارے کمرے سے تمہیں لے کر میں دوبارہ ہوٹل آیا۔ روز اس وقت بھی ہوپ
کرک کے کمرے میں تھی۔ ہوپ کرک کا آٹومیٹک پستول سائیلنسر والا اب بھی روز کے
قبضے میں تھا اور وہ اسے ڈرا دھمکا رہی تھی کہ گیلی قتل ہو چکی ہے اور تم اس راز سے
واقف ہو۔ خبردار جو کسی کو ایک لفظ بھی بتانے کی کوشش کی۔ ورنہ تم بھی مرنے کیلئے
تیار ہو جاؤ۔ یہ بالکل وہی وقت تھا۔ جب ہم نے ہوپ کرک کے دروازے پر دستک
دے کر بلایا تھا اور ہم دونوں نے دروازے کے پیچھے دو بوٹوں کی جھلک دیکھی تھی۔
روزمارکو اس وقت بھی اس پر پستول تانے کھڑی تھی بعد میں جب ہم نے فون کیا تو
روز نے راز افشاء ہو جانے کے خوف سے ہوپ کرک کو ٹھکانے لگانا ہی مناسب سمجھا۔
اس نے پہلے اس کی کھوپڑی پر فائر کیا اور بعد میں اسے دھکیل کر کھڑکی سے سترفٹ کی
بلندی سے نیچے پھینک دیا اور خودکشی کی واردات بنانے کی کوشش کی۔ ہوپ کرک کی
کھوپڑی اگرچہ پاش پاش ہو چکی تھی پھر بھی پوسٹ مارٹم سے پتہ چل گیا کہ موت گولی
لگنے سے واقع ہوئی ہے۔"

کوئنٹین واقعات سناتے سناتے رکا۔ اس نے پانی پیا اور پھر سنانے لگا۔ کمرے
میں گہری خاموشی تھی اور سب کوئنٹین کو بڑے انہماک سے سن رہے تھے۔

"سب لوگ ہوپ کرک کی طرف متوجہ ہو گئے تو روز ہوٹل سے نکل کر فرار
ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ سب لوگوں نے اخباروں

میں پڑھ لیا ہے اور ہاں روز مارکو کا شوہر پیورورِکن بچ گیا ہے اور اس نے بھی روزمارکو کے خلاف بیان دیا ہے۔ گیلی کے ریوالور سے روز نے اپنی انگلیوں کے نشان مٹا دیئے تھے لیکن ہوپ کرک کا پستول استعمال کرنے کے بعد وہ ایسا کرنا بھول گئی۔ فنگر پرنٹ مشین سے بھی رزلٹ آ چکا ہے۔ کچھ اور ثبوت بھی مل گئے ہیں کہ روز کے سوا اور کوئی قاتل نہیں۔"

اتنے میں ڈویٹ فل مُوڈ کمرے میں داخل ہُوا۔ آتے ہی مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہنے لگا۔ "تمہیں اِس قتل کے الزام میں جو پریشانیاں اٹھانی پڑیں ہیں ان کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ اور ہاں تم بہت اچھے، قابل صحافی ہو مسٹر میسن! اور میں تمہیں اپنے اخبار میں ملازمت کی پُرکشش پیش کش کرتا ہوں جو تمہارے آبائی وطن کینیڈا ہی سے نکلتا ہے۔ میرے اخبار کو تمہارے جیسے صحافیوں ہی کی ضرورت ہے۔"

ریڈلف بوئی نے پہلے فل مُوڈ اور پھر میری طرف دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے اور وہ شاید میرے منہ سے کہلوانا چاہتا ہے۔ میں خود بھی اس پیش کش سے فائدہ اٹھانے کے موڈ میں نہ تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔

"بہت بہت شکریہ مسٹر فل مُوڈ آپ کی اس پیش کش کا! لیکن میں ابھی تک مسٹر ریڈلف بوئی کا ملازم ہوں۔ ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس وقت چانس دیا جب میں کچھ بھی نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے فٹ پاتھ سے اٹھا کر بڑا صحافی بنا دیا ہے اور پھر میری خاطر سب سے اچھے وکیل کے اخراجات برداشت کئے ہیں اور میرے لئے بہت سی پریشانیاں اٹھائیں۔"

ریڈلف بوئی کا چہرہ احساس تفاخر سے دمکنے لگا۔

"ٹھیک ہے جیسا تم مناسب سمجھو۔ بہرحال میری مدد کی جب اور جس وقت ضرورت ہو آ جانا"۔ فل مُوڈ نے سنجیدگی سے بات ختم کی۔ کمرے میں موجود سب لوگوں نے باری باری مجھے مبارک باد دی۔ کونٹین نے رجینا کی طرف معنی خیز مسکراہٹ سے دیکھ کر کہا۔

"میرا خیال ہے اب ہم سب کو چلنا چاہئے۔ اچھا مسٹر ٹام میسن اور مِس رجینا

خدا حافظ۔"

وہ سب باری باری کرسیوں پر سے اُٹھے اور مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلاتے ہوئے باہر نکل گئے۔ اب کمرے میں صرف مَیں اور رجینا تھے۔ رجینا نے بھی مسکرا کر میری طرف دیکھا تو نجانے کیوں میرا سر اپنے آپ جھکتا چلا گیا۔